امام احمد رضا خان بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے افکار کا ترجمان، اخلاقی، ادبی، تمدنی جریدہ

جلد نمبر 28، مارچ 2021، رجب المرجب، 1442ھ، شمارہ 241

بانی مجلس رضا: حکیم اہلسنت حکیم محمد موسیٰ امرتسری رحمۃ اللہ علیہ

بانی ماہنامہ: پیرزادہ علامہ اقبال احمد فاروقی رحمۃ اللہ علیہ

چیف ایڈیٹر: محمد کاشف رضا

ایڈیٹر: عامر ابراہیم الاشعری

قیمت فی شمارہ -/50 روپے سالانہ چندہ -/600 روپے

مرکزی مجلس رضا

خط و کتابت اور ترسیل زر اور ملنے کا پتا

دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

0333-7861895 - 0300-1090045

اداریہ ✍

چیئر مین پاکستان ٹیلی کمیونیکیشن توجہ کریں

سوشل میڈیا کی ایک ایپ ''ٹک ٹاک'' نے آج کل جو طوفانِ بدتمیزی مچایا ہوا ہے الامان والحفیظ، اچھے بھلے خاندانوں کے چشم و چراغ بھی اس آفتِ ناگہانی کا شکار نظر آتے ہیں۔ والدین اپنی تربیت کا جنازہ ٹک ٹاک پر جاتا دیکھتے ہوں گے تو دل لہو ہو جاتا ہوگا۔ بعض شریف زادے ٹک ٹاک پہ ''رجسٹرڈ شریف'' ہو چکے ہیں، شہرت کی تمنا بُری نہیں مگر بُرا راستہ شہرت کو آسیب کی طرح چمٹ کر اس کی راہیں ویران کر دیتا ہے۔ ایسی شہرت جہاں سر جھکائے بھائی، ڈوبتے کو گھورتی بہنیں، پھٹی پھٹی نگاہوں سے دیکھتی مائیں ہوں تو معاشرے میں ''رگِ حمیت'' پھڑکنا بند ہو جاتی ہے۔ حضرتِ اکبر کی بات بھی اب بہت پُرانی ہوئی کہ

حامدہ چمکی نہ تھی انگلش سے جب بیگانہ تھی
اب شمعِ محفل ہے پہلے چراغِ خانہ تھی

ٹک ٹاک پہ خود ساختہ فنکاروں کی منڈی لگی ہوئی ہے ہر ایک تماشہ گر اپنے ''کرتب'' دکھا کر دادِ تحسین وصول کرنا چاہتا ہے۔ ہمارے ہاں کے مداری (میری مراد پنجاب میں بندر اور ریچھ کا تماشا دکھانے والے ہیں انڈیا میں پائے جانے والے خود ساختہ سلسلہ طریقت کے ''مداری'' نہیں گو کہ دونوں کا طرزِ عمل ایک جیسا ہے) اور بازی گر بھی ان ٹک ٹاک کے نوٹنکیوں سے شرمائے شرمائے پھرتے ہیں۔ فن اداکاری کے یہ جعل ساز غیر اخلاقی ویڈیو، بے ہنگم میوزک، تھیٹر کے میراثیوں کی ''لپ سنگ'' کر کے خود کو آسکر ایوارڈ کا حق دار تصور کرتے ہیں۔ ننگے پاؤں اور پُرخار راہوں پہ چلنے والے یہ لڑکے اور لڑکیاں اس بات سے بے خبر ہیں کہ مدتوں عزت کمانے والے والدین کی عزت وہ ایک منٹ کی

ویڈیو میں نیلام کر دیتے ہیں۔ٹک ٹاک پہ نو دولتیے اپنی کاروں اور پروٹوکول کی ویڈیو بنا کر چاہتے ہیں کہ لوگ ان کی دولت کے سامنے سرنگوں ہوں، یہ طرز ادا نسلوں کا پتا دیتی ہے۔ کچھ لوگ سونے کی زنجیریں گلے میں لٹکائے، کچھ جمپ لگاتے، کچھ کوکا کولا کی بوتلیں خود پہ اُنڈیلتے، کچھ الٹی سیدھی قلابازیاں لگاتے نظر آتے ہیں یہ کون سی مخلوق ہیں؟ یہ دولڑکیاں ''باواجی سیالکوٹ''''باواجی باگڑیاں'' کہہ کے کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟ ایک گھر کی ماں بیٹی اور دو بھائی بھی ٹک ٹاک سٹار ہیں جو''کیٹ واک'' کرتے ہیں تاکہ آوارہ مزاجوں کے لئے تفننِ طبع کا سامان ہو سکے۔ایک مسخرہ خطیب ناصر مدنی بھی ٹک ٹاک کے صفِ اول کا فنکار ہے۔ایک شخص بھولا ریکارڈ بھی ہے جس نے غیرت مند نہ ہونے کے ریکارڈ قائم کئے۔چند ایک لوگ اچھی ویڈیو بھی بناتے ہیں جن میں کوئی پیغام، مزاح اور معلومات ہوتی ہے ان میں ایک جیون سلطان اور زُنیر کمبوہ ہمیں ایسے نظر آئے جو اپنی ذہنی صلاحیت سے بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں۔وگرنہ کوئی نانی والا ہے کوئی دادی والا کاش کوئی غیرت والا بھی نظر آئے۔ٹک ٹاک کی نحوست نے کئی گھر برباد کر ڈالے ہیں۔ایک ٹک ٹاک سٹار لڑکی کو چار دیگر لوگوں کے ہمراہ قتل کر دیا گیا اور اس کی لاش لینے کوئی نہیں آیا۔ٹک ٹاک سٹار لڑکی کو لاہور کے ہوٹل میں بلا کر بے آبرو کر دیا گیا۔ کتنے ہی ایسے واقعات ہیں جن میں عزتیں پامال ہوئیں، آبرو کے پرخچے اُڑا دیئے گئے۔ اس ٹک ٹاک کی بلا نے بہت سوں کو معاشرے میں شکل دکھانے کے قابل نہ چھوڑا۔ قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی اس فحاشی وعریانی کے سیلاب کے سامنے چُپ سادھے ہوئے ہیں، چیئرمین ٹیلی کمیونیکیشن خصوصی توجہ دیں، اپنی تہذیب وتمدن سے برگشتہ نسلِ نو اس میں سرتا بقدم غرق ہو چکی، خانقاہ کے شیخ نے، مُفتی عصر نے آنکھیں بند کر رکھی ہیں۔اقبال کے شاہین جب بے بال و پر ہو کر کوے بن جائیں گے تو فضائے نیلگوں میں پرواز کون کرے گا؟ کون ستاروں پہ کمند ڈالے گا؟ عظمتِ اسلام اور ناموسِ رسالت کا پہرے دار کون ہوگا؟

انبیاء علیہم السلام کا بچپن
قرآن کے آئینے میں

ڈاکٹر محمد اکرم فارانی

بچوں کی یہ فطرت ہے کہ" قصوں اور کہانیوں کو پڑھنے اور سننے سے بڑی دلچسپی رکھتے ہیں اوران کا وہ بڑا اثر لیتے ہیں۔سوضروری ہے کہ ہم قرآن کریم میں بیان کردہ انبیاء علیہم السلام کے قصوں بالخصوص ان کے بچپن کے احوال کی طرف بچوں کی توجہ کو مبذول کروائیں۔اس سے ان میں نیکی،تقویٰ، خیرخواہی اور فکرِآخرت کی صلاحیتیں پروان چڑھیں گی۔ بلاشبہ انبیاء کے بچپن کے قصے ہمارے بچوں کی ژہنی تربیت کا خوبصورت ذریعہ بن سکتے ہیں۔اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں بہت سے انبیاء اور سابقہ امتوں کے احوال بیان کیے ہیں اور پھراس کی حکمت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

" لَقَدْ كَانَ فِيْ قَصَصِهِمْ عِبْرَةٌ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ " (یوسف:111)

"بے شک ان کے قصوں میں عقلمندوں کے لیے عبرت ہے۔"

ایک مقام پرفرمایا:

"وَكُلًّا نَّقُصُّ عَلَيْكَ مِنْ اَنْبَآءِ الرُّسُلِ مَا نُثَبِّتُ بِهٖ فُؤَادَكَ" (ھود:120)

"اور(اے حبیب! یہ سب جو ہم آپ سے انبیاء کی سرگزشتیں بیان کرتے ہیں یہ اس لیے تاکہ ہم اس کے باعث آپ کے قلبِ(مبارک) کومضبوط کردیں۔"

گویا قصصِ انبیاء بیان کرنے کا ایک مقصد غمگین دلوں کی ڈھارس بندھانا اور انہیں تقویت بخشنا بھی ہے۔بعض اہل علم نے فرمایا:

"القصص جند من جنود الله"

"(صالحین کے) قصے اللہ کے لشکروں میں سے ایک لشکر ہیں۔"

اب میں اللہ جل وعلا کی توفیق سے بعض انبیاء علیہم السلام کے بچپن کے احوال قرآنِ کریم کی روشنی میں بیان کرتا ہوں اور والدین سے امید کرتا ہوں کہ والدین اپنے پیارے بچوں کی تہذیبِ نفوس کے لیے انہیں ان قصوں کی طرف مائل کریں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام:

اللہ جل شانہ نے اپنے جلیل القدر سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ قرآنِ کریم میں جگہ جگہ فرمایا ہے۔ ان کی عظمت کے لیے اتنا کہہ دینا ہی کافی ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنے حبیب مکرم، نبی اطہر، محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا:

"اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا" (النحل:123)

"آپ دینِ ابراہیم کی پیروی کیجئے جو ہر باطل سے منہ موڑے ہوئے تھا۔"

اور ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کی شان بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا" (النساء:125)

"اور اللہ نے ابراہیم کو اپنا دوست بنالیا۔"

اللہ تعالیٰ کے اس جلیل القدر پیغمبر کو اللہ کے دین کی تبلیغ و ترویج میں بڑے مصائب و آلام اور مشکلات کا سامنا کرنا پڑا۔ حتیٰ کہ آگ میں بھی کودنا پڑا، لیکن آپ کے پایہ استقامت میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔

قارئین! اللہ کے اس پیارے پیغمبر کی عمر کافی ہو چکی تھی لیکن ابھی تک آپ کے رب نے آپ کو اولاد سے نہیں نوازا تھا۔ چنانچہ اللہ کے حضور آپ نے اولادِ صالحہ کے لیے یوں دعا کی:

"رَبِّ هَبْ لِيْ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ" (الصّٰفّٰت:100)

"اے میرے رب! مجھے نیک بچہ عطا فرما۔"

ادھر آپ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھائے ادھر قبولیت کا مژدہ آ پہنچا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَبَشَّرْنٰهُ بِغُلٰمٍ حَلِيْمٍ"(الصّٰفّٰت:101)

"پس ہم نے انہیں ایک بردبار فرزند کی خوشخبری دی۔"

پھر وہ وقت بھی آتا ہے جب حضرت سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی ولادت باسعادت ہوتی ہے۔ حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی گود میں سعادت ونجابت کا پیکر تشریف لاتا ہے۔ قارئین! جب یہ فرزندِارجمند اپنے روشن چہرے اور نورانی پیشانی کے ساتھ کاشانہ ابراہیمی میں جلوہ گر ہوا ہوگا تو سارا گھر بقعۂ نور بن گیا ہوگا۔ کیوں نہ ہو اس کی پیشانی پر تو نورِ مصطفوی چمک رہا تھا۔ اس وقت اللہ کے خلیل ابراہیم علیہ السلام، سیدہ سارہ سلام اللہ علیہا اور سیدہ ہاجرہ سلام اللہ علیہا کی خوشی کا کیا عالم ہوگا؟

ابھی یہ مولودِ مسعود شیر خوارگی کے عالم میں ہی تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اس فرزند کو مع اس کی والدہ کے فلاں جنگل بیابان میں چھوڑ آؤ۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا مگر حضرت ابراہیم علیہ السلام تو تھے ہی پیکرِ تسلیم ورضا، سوفوراً اس حکم کی تعمیل کے لیے تیار ہو گئے۔ آپ ماں بیٹا دونوں کو وہاں لے آئے جہاں اب حرم ہے۔ ایک مشک پانی اور چند سیر کھجوریں حضرت ہاجرہ کے حوالے کر کے آپ واپس جانے لگے تو حضرت ہاجرہ نے عرض کیا: "الی من تکلنا؟" آپ ہمیں کس کے حوالے کر کے جا رہے ہیں؟ فرمایا: "الی اللہ میں تمہیں اللہ کے سپرد کر کے جا رہا ہوں۔ آپ کی پریشان دور ہوگئی اور بڑے اطمینان سے کہا: "اذا لایضیعینا" تب وہ ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔

چند روز میں پانی کا مشکیزہ اور کھجوریں ختم ہوگئیں۔ ننھا اسماعیل پیاس سے تڑپنے

لگا۔ ماں سے بچے کی یہ حالت دیکھی نہ گئی۔ چنانچہ آپ کوہِ صفا پر گئیں اس امید پر کہ کسی آباد کا سراغ ملے یا کوئی کارواں گزرتا ہوا نظر آئے۔ جب مایوسی ہوئی تو مروہ کی پہاڑی کی طرف چل پڑیں اور یوں آپ نے دونوں پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے۔ درمیان میں نشیبی جگہ تھی۔ وہاں سے آپ دوڑ کر گزرتیں مبادا کہ کوئی چیز آپ کے لختِ جگر کو گزند پہنچائے۔ آخری مرتبہ آپ نے دیکھا کہ جہاں بچہ ایڑیاں رگڑ رہا ہے وہاں پانی ابلنے لگا ہے۔ آپ نے اس کے اردگرد مٹی کی بنی سی بنا دی اور فرمایا: "زم زم" ٹھہر جا ٹھہر جا۔ اور اس خیال سے کہ یہ بہہ نہ جائے اپنا مشکیزہ اس سے بھر لیا۔ رسولِ مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"رحم اللہ امر اسماعیل لولا انھا عجلت لکانت زم زم عینا معینا"

"اللہ امِ اسماعیل" پر رحم فرمائے اگر وہ جلدی نہ کرتیں تو زم زم ایک بہت بڑا چشمہ ہوتا۔"

فرشتے نے حضرت ہاجرہ سے کہا کہ آپ اندیشہ نہ کریں۔ جہاں کے رہنے والوں کو پیاس کی تکلیف نہ ہوگی کیونکہ یہ ایسا چشمہ ہے جس سے اللہ کے مہمان پییں گے۔ فرشتے نے یہ بھی کہا کہ اس بچے کا باپ آئے گا اور دونوں مل کر اس مقام پر اللہ کا گھر تعمیر کریں گے۔

سعادت مند ماں اور بیٹا وقت گزارتے رہے۔ اسی اثناء میں قبیلہ جرہم کا ایک قافلہ جو کہ ملک شام کی طرف جا رہا تھا وہاں سے گزرا۔ انہوں نے پہاڑوں پر پرندوں کو چہچہاتے ہوئے سنا تو کہا کہ یہ پرندے پانی پر چہچہا رہے ہیں کیا تمہیں معلوم ہے کہ اس وادی میں پانی ہے؟ جب سب نے لاعلمی کا اظہار کیا تو وہ پہاڑی پر چڑھے تو دیکھا کہ ایک خاتون وہاں تشریف فرما ہے اور پانی کا چشمہ بہہ رہا ہے۔ انہوں نے حضرت ہاجرہ سلام اللہ علیہا سے وہاں کی سکونت کی اجازت مانگی، آپ نے انہیں

اجازت دے دی اور وہ وہاں فروکش ہوگئی۔

جب سیدنا اسماعیل علیہ السلام کی عمر مبارک تیرہ سال کے قریب ہوگئی تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بذریعہ خواب حکم ملا کہ اپنے لختِ جگر نورِ نظر اسماعیل کو اللہ کی راہ میں قربان کریں۔ سراپا تسلیم ورضا خلیل اللہ علیہ السلام فوراً اس حکم کی تعمیل کے لیے آمادہ ہوگئے اور اپنے فرزند کو بھی اس حکم سے آگاہ کردیا۔ بیٹے نے بصد ادب عرض کیا:

" يٰٓاَبَتِ افْعَلْ مَا تُؤْمَرُ ۡ سَتَجِدُنِيْٓ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ مِنَ الصّٰبِرِيْنَ"
(الصّٰفّٰت:102)

"اے میرے باپ! جو آپ کو حکم دیا گیا ہے اسے بجالایئے اگر اللہ نے چاہا تو آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔"

پھر کیا ہو، باپ بیٹے کو لے کر جنگل میں چلا گیا۔ اسے لٹا کر گلے پر چھری رکھ دی۔ ادھر رب العالمین کی طرف سے نداء آگئی:

"قَدْ صَدَّقْتَ الرُّءْيَا ۚ اِنَّا كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ(الصّٰفّٰت:104)

"اے ابراہیم! اے ابراہیم! تو نے خواب کو سچا کر دکھایا ہے، بے شک ہم نیکوکاروں کو یونہی جزاء دیتے ہیں۔"

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا: سیدنا اسماعیل علیہ السلام بچپن میں ہی اپنے رب کے نام پر جان دینے کے لیے کس ذوق وشوق سے تیار ہوگئے۔

؎ یہ فیضان نظر تھا یا کہ مکتب کی کرامت تھی
سکھائے کس نے اسماعیل کو آداب فرزندی
(اقبال)

اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے گلے پر چھری کیوں نہیں چلنے دی؟ اس کی ایک خوبصورت وجہ بیان کرتے ہوئے حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہری لکھتے

ہیں

" حضرت اسماعیل سلام اللہ کی جبین سعادت میں نورِ محمدی جلوہ طراز تھا۔ اسی کے ظہور کے ساتھ سارے جہاں ہست و بود کی سعادتیں وابستہ تھیں۔ کوئی چھری اس کے گلے کو کیونکہ کاٹ سکتی تھی۔ اس حکم سے یہ دیکھنا تھا بلکہ سارے جہاں کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ نورِ محمدی کی امانت اس کے سپرد کی گئی ہے جو اس کا اہل ہے اور جو اس بار امامت کو اٹھانے کی مقدرت رکھتا ہے۔

اس قصہ سے ہمیں اطاعت، حلم، اخلاص، تکلیف پر صبر، اللہ کے حکم کے سامنے سر جھکانے اور بیٹے کا باپ کی اعاطت کرنا جیسے اسباق ملت ہیں۔

حضرت یوسف علیہ السلام:

حضرت یوسف علیہ السلام ان جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جن کا تذکرہ قرآن کریم میں بار بار آیا ہے بلکہ آپ کے نام سے ایک پوری سورۃ اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی، جس میں آپ کا قصہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔

حضرت یوسف علیہ السلام چودھویں کے چاند کی طرح حسین و جمیل تھے۔ آپ کے گیارہ بھائی تھے۔ والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام آپ کے خصائلِ حمیدہ اور اوصافِ جمیلہ کے باعث آپ سے بہت محبت کرتے تھے۔ بھائیوں کو یہ بات ایک آنکھ نہیں بھاتی تھی اور وہ آپ سے حسد کرتے تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام ایک پاک باطن، صاف دل بچے تھے۔ ہمہ وقت یادِ الٰہی میں مشغول رہتے تھے۔ ایک رات آپ نے ایک عجیب وغریب خواب دیکھا۔ آپ نے دیکھا کہ گیارہ ستارے اور سورج اور چاند آپ کو سجدہ کر رہے ہیں۔ آپ نے یہ خواب اپنے والدِ گرامی سے بیان کیا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اس خواب کے آئینے میں اپنے فرزند کے روشن مستقبل کو بھانپ لیا۔ اور تاکید کہ کہ

پیارے بیٹے! یہ خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا ورنہ وہ تیرے خلاف سازش کریں گے۔

"قَالَ يٰبُنَيَّ لَا تَقْصُصْ رُءْيَاكَ عَلٰٓي اِخْوَتِكَ فَيَكِيْدُوْا لَكَ كَيْدًا ۭ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ " (یوسف:5)

" فرمایا! اے میرے پیارے فرزند! اپنا خواب اپنے بھائیوں سے بیان نہ کرنا، ورنہ وہ تیرے خلاف سازش کریں گے، بے شک شیطان انسان کا کھلا دشمن ہے۔**"**

بھائیوں کا جذبہ حسد پروان چڑھتا رہا۔ ایک دن آپس میں کہنے لگے: یوسف اور اس کا بھائی باپ کو ہم سے زیادہ پیارے ہیں حالانکہ ہم ایک مضبوط جتھ ہیں۔ سارے کنبے کا بوجھ ہم اٹھائے ہوئے ہیں اور کاروبار کی ساری ذمہ داری بھی ہمارے کندھوں پر ہے۔ لہٰذا والد گرامی کا رویہ قطعاً درست نہیں اور وہ اس معاملے میں کھلی غلطی کا شکار ہیں۔ کیونکہ نہ ہم یوسف کو قتل کر دیں یا اسے کسی دور کی زمین میں پھینک دیں۔ یوں جب یوسف ہی نہیں رہے گا تو والدِ گرامی کی ساری توجہ ہماری طرف مبذول ہو جائے گی اور وہ ہمیں چاہنے لگیں گے۔ آپس میں منصوبہ بندی کر کے وہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہنے لگے:

" مَالَكَ لَا تَاْمَنَّا عَلٰي يُوْسُفَ وَاِنَّا لَهٗ لَنٰصِحُوْنَ o اَرْسِلْهُ مَعَنَا غَدًا يَّرْتَعْ وَيَلْعَبْ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" (یوسف:11۔12)

" کیا وجہ ہے کہ آپ یوسف کے معاملے میں ہم پر اعتماد نہیں کرتے حالانکہ ہم اس کے خیر خواہ ہیں۔ آپ کل اسے ہمارے ساتھ بھیجیں تا کہ یہ کھائے پیے اور کھیلے کودے اور ہم اس کی حفاظت کریں گے۔**"**

حضرت یعقوب علیہ السلام پہلے سے ہی اس معاملے میں فکر مند رہتے تھے۔ فرمانے لگے: مجھے ڈر ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم سیر و تفریح اور کھیل کود کے باعث اس

سے غافل ہو جاؤ اور اسے بھیڑیا کھا جائے۔ امام فخر الدین رازی فرماتے ہیں کہ آپ جانتے تھے کہ بھیڑیا آپ کون ہیں کھا سکتا لیکن آپ نے انہیں تنبیہ کی کہ اس کی حفاظت میں سستی نہ کریں۔ انہوں نے جواب دیا کہ ہم دس گرانڈیل جوان ہیں بے چارے بھیریے کی کیا مجال کہ یوسف کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی دیکھ سکے۔ اگر ہمارے ہوتے ہوئے یوسف کو بھیڑیا کھا جائے تب تو ہم نرے نکھٹو ثابت ہوئے۔

بالآخر بادلِ نخواستہ حضرت یعقوب علیہ السلام یوسف کو ان کے ساتھ بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔ ان کی شادمانی ومسرت کی کوئی حد نہ رہی۔ یوسف کو ساتھ لے کر چل پڑے۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی نظروں سے اوجھل ہو گئے تو ان کے تیور ہی بدل گئے۔ لگے یوسف کو زدوکوب کرنے اور ایذا دینے۔ وہ آپ کو برا بھلا کہتے اور ایذا پہنچاتے ہوئے اس کنویں تک لے گئے جس میں آپ کو ڈالنے کا انہوں نے منصوبہ بنایا تھا۔ بھائی اس معصوم کو کنویں میں پھینک دیتے ہیں۔ غور فرمائیں اس وقت اس دلِ نازک پر کیا گزری ہوگی۔ لیکن رحمٰن رحیم پروردگار نے آپ کو زیادہ پریشان نہیں ہونے دیا۔ اور آپ کی طرف وحی کی کہ یہ بیچارے تیرے رتبہ عالی کو کیا جانیں؟ ایک وقت آئے گا کہ تو منصب عالی پر فائز ہوگا اور یہ تیرے پاس محتاج بن کر حاضر ہوں گے اور تو انہیں ان کی یہ کارستانی یاد دلائے گا۔

یوسف علیہ السلام کو کنویں میں پھینک کر برادران یوسف شام کے وقت بناوٹی رونا روتے ہوئے باپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ساتھ یوسف کی قمیض پر جھوٹا خون لگا کر اور کہا کہ ہم دوڑ لگانے گئے تھے اور یوسف کو اپنے ساز وسامان کے پاس چھوڑ گئے تھے کہ اسے بھیڑیا کھا گیا اور یہ اس کی خون آلودہ قمیص ہے اور ساتھ کہنے لگے: آپ ہماری بات پر یقین نہیں کریں ے اگرچہ ہم سچے ہیں۔ آپ فوراً بھانپ گئے کہ یہ ان کا مکروفریب ہے اور انہیں سرزنش کرتے ہوئے فرمایا:

"ماا شد حلم ھذا الذئب الذی اکل یوسف، ولم یمزق علیہ قمصہ"
"یہ کتنا بردبار بھیڑیا ہے جو یوسف کو کھا گیا لیکن اس کی قمیض کو چرا تک نہیں۔"
پھر آپ نے ان سے فرمایا؛
"بَلْ سَوَّلَتْ لَكُمْ اَنْفُسُكُمْ اَمْرًا ۭ فَصَبْرٌ جَمِيْلٌ ۭ وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰي مَا تَصِفُوْنَ " (یوسف:18)
"بلکہ تمہارے نفسوں نے اس بات کو تمہارے لیے مزین کر دیا ہے، پس میں صبر جمیل ہی کروں گا، اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اس پر میں اللہ سے مدد کا طلب گار ہوں۔"
اللہ کی شان کہ جس کنویں میں برادرانِ یوسف نے انہیں ڈالا تھا اس میں پانی تھوڑا تھا اور یوسف علیہ السلام اس میں بیٹھے اللہ کی طرف سے رحمت و کرم کے منتظر تھے۔ مصر کی طرف جانے والا ایک قافلہ وہاں سے گزرا۔ انہوں نے اپنے آبکش کو پانی کی تلاش میں ادھر بھیجا۔ اس نے اپنا ڈول کنویں میں لٹکا دیا۔ حضرت سف علیہ السلام تائید ایزدی سمجھتے ہوئے اس کے ساتھ لٹک گئے۔ اس آدمی نے جب ڈول باہر کھینچا تو پکار اٹھا:
" يٰبُشْرٰي هٰذَا غُلٰمٌ " (یوسف:19)
"مژدہ باد! یہ (کتنا من موہنا) بچہ ہے۔"
قافلے والوں نے آپ کو متاعِ گراں بہا سمجھتے ہوئے آپ کو چھپا لیا اور بطور غلام کے آپ کو اپنے ساتھ مصر لے گئے تا کہ آپ کو وہاں بیچ کر مال و دولت سے اپنی جھولیاں بھریں۔ جب وہ بازارِ مصر میں پہنچے تو کیسا منظر تھا، حضرت پیر محمد کرم شاہ الزاہری کے الفاظ، یہاں بہت خوبصورت ہیں۔ لکھتے ہیں:
"گلشنِ خلیل کا مہکتا ہوا پھول جب بازارِ مصر میں لایا گیا ہوگا تو ساری فضا معطر ہو

گئی ہوگی۔حسن و جمال کا ایسا مرقع نہ آنکھوں نے آج تک دیکھا نہ سنا۔ایسے غلام کی آمد کی خبر آنِ واحد میں شاہی ایوانوں میں گھومنے لگی ہوگی اور دیکھتے دیکھتے ہی خریداروں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگ گئے ہوں گے۔لوگوں نے بڑھ چڑھ کر قیمت میں پیش کرنے میں بخل سے کام نہ لیا ہوگا۔آخر مصر کے ایک امیر کبیر شاہی دربار کے ایک افسرِ اعلیٰ نے اسے خریدا۔"

عزیزِ مصر یوسف کو خرید کر گھر لے گیا اور اپنی اہلیہ سے کہا:

"اَكْرِمِيْ مَثْوٰىهُ عَسٰٓى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا" (یوسف:21)

"اسے عزت سے ٹھہرانا، ہوسکتا ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنا لیں۔"

قارئین! آپ نے دیکھا وہی ننھا یوسف جسے اس کے بھائیوں نے کنویں میں پھینک دیا تھا اب اللہ نے اسے ایسی جگہ پہنچا دیا جہاں زندگی کی ساری سہولتیں فراوانی کے ساتھ موجود تھیں۔اللہ تعالیٰ نے اپنے اس پیارے نبی کو جن فضائل و کمالات اور اوصافِ جمیلہ سے نوازا اس کا تذکرہ سورہ یوسف میں جگہ جگہ موجود ہے۔آپ نے اپنے بھائیوں کی طرف سے پہنچنے والی تکالیف پر اور پھر غلام بنائے جانے پر صبر کیا۔آپ کو اپنے عظیم و جلیل پروردگار پر بہت بھروسہ تھا، یہی وجہ ہے کہ کنویں کی تاریک تہہ میں بھی آپ کا دل مطمئن تھا۔آپ نے تقویٰ کے دسترخوان پر نشوونما پائی اور ابراہیمی یعقوبی خانوادہ نبوت سے غذا پائی۔اللہ نے آپ کو خوابوں کی تعبیر کا علم سکھایا اور اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کی آپ پر تکمیل فرمائی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام:

حضرت موسیٰ بن عمران علیہ السلام اللہ جل شانہ کے ان جلیل القدر انبیاء میں سے ہیں جن کے بچپن کی قرآن نے واضح شکل میں صورت گری کی ہے اور آپ کے بچپن

کی زندگی کے بہت سے گوشوں کو بیان کیا ہے۔ان الطاف وعنایات کا بھی تذکرہ کیا ہے جواللہ نے اس دوران آپ پرفرمائیں اور پھران دروس وعبر کا بھی جواس قصہ میں موجودہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے قبل مصر پراک ایسا شخص حکمران تھا جس نے اپنی قوم کو بیوقوف بنارکھا تھااور وہ اندھادھند اسکی پیروکار تھی۔یہ شخص فرعون کہلاتا تھا۔یہ بڑاظالم اورسنگ دل شخص تھا۔بیان کیاجاتا ہے کہ اس نے خواب دیکھا کہ اس کی بادشاہی ایک بچے کے ہاتھوں زوال پذیر ہوگی جو بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا۔وہ لوگوں کوفرعون کی سرکشی اورظلم سے نجات دلائے گااور فرعون اوراس کی قوم بھی اسی کے ہاتھوں ہلاک ہوگی۔

فرعون اس خواب کے باعث پریشان ہوگیااورمعبرین کے سامنے اپنا خواب بیان کیا تاکہ وہ اسے اس کی تعبیر بتائیں۔انہوں نے کہا: یہ پریشان خواب ہے اور جس پرخواب دلالت کرر ہاتھااس کواس سے چھپائے رکھا۔

اب فرعون نے اس خواب کے متعلق اپنے وزراءاوراعیانِ مملکت سے مشورہ کیاتو انہوں نے کہا کہ بنی اسرائیل میں پیدا ہونے والے ہرلڑکے کوقتل کردیا جائے اور لڑکیوں کو زندہ رکھا جائے۔اس نے شہروں میں اپنے لشکر دوڑ دیئے جولڑکوں کوقتل کرتے تھے یہاں تک کہ کہا جاتا ہے کہ اس نے ستر ہزارلڑکےقتل کروادیئے۔ اللہ تعالیٰ نے فرعون کے اس ظلم وستم کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"اِنَّ فِرْعَوْنَ عَلَا فِي الْاَرْضِ وَجَعَلَ اَهْلَهَا شِيَعًا يَّسْتَضْعِفُ طَاۗىِٕفَةً مِّنْهُمْ يُذَبِّحُ اَبْنَاۗءَهُمْ وَيَسْتَحْيٖ نِسَاۗءَهُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُفْسِدِيْنَ" (القصص:4)

"بے شک فرعون نے سرزمین (مصر) میں سرکشی کی اوراس نے وہاں کے

باشندوں کو گروہ گروہ بنا دیا، وہ ایک گروہ کو ان میں سے کمزور کرنا چاہتا تھا، وہ ان کے بیٹوں کو ذبح کرتا اور ان کی بیٹیوں کو زندہ چھوڑ دیتا، بے شک وہ فسادیوں میں سے تھا۔"

لیکن تقدیر اس سرکش کی گھات میں تھی، گویا اس سے کہہ رہی تھی: اے اپنے لشکروں کی کثرت اور ملک کی وسعت پر مغرور ہونے والے جابر و ظالم! قادرِ مطلق رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ جس بچے سے تو ڈر رہا ہے وہ تیرے گھر میں اور تیرے بستر پر پرورش پائے گا تو اس پر سو جان سے فدا ہوا کرے گا لیکن تجھے اس کی حقیقت کا پتہ نہ چلے گا۔ پھر دنیا و آخرت میں تیری ہلاکت اسی کے ہاتھوں ہوگی کیونکہ تو اس حق کی مخالفت کرے گا جسے وہ لے کر آئے گا اور اس وحی کو جھٹلائے گا جو اس کی طرف کی جائے گی تا کہ تو اور ساری مخلوق جان لے کہ آسمانوں اور زمین کا رب جو چاہے کر کے رہتا ہے اور یہ کہ وہ بڑا قوت و طاق والا ہے اور کوئی اس کی مشیت کو ٹال نہیں سکتا۔

اس خوفناک دور میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ حاملہ ہوگئیں۔ جب مدتِ حمل پایہ تکمیل کو پہنچ گئی تو موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوگئی۔ یہ آدھی رات کا وقت تھا۔ والدہ کے پاس موسیٰ علیہ السلام کی بہن کے سوا اور کوئی عورت نہیں تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا چہرہ نور سے چمک رہا تھا لیکن فرعون کے کارندوں کو اس معاملے کا کوئی پتہ نہ چلا۔

والدہ موسیٰ بہت خوش ہوئیں لیکن ساتھ ساتھ خوف زدہ بھی تھیں کیونکہ انہیں فرعون کی کارستانیوں کا علم تھا۔ وہ ہر قیمت پر بچے کی زندگی بچانا چاہتی تھیں۔ انہوں نے تین مہینے حالت خوف میں اس مولودِ مسعود کو دودھ پلایا۔ جب انہیں اندیشہ ہوا کہ کہیں ان کا معاملہ ظاہر نہ ہو جائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے دل میں ڈال دیا کہ اس بچے کو ایک تابوت میں رکھ کر دریا میں ڈال دو اور پریشان نہ ہونا، ہم بچے کو تمہاری طرف لوٹا دیں

گے اور اسے اپنا رسول بنائیں گے اور دنیا و آخرت میں اس کا کلمہ بلند ہوگا۔

والدہ نے ایسا ہی کیا۔ انہوں نے ایک صندوق میں بچے کو رکھ کر دریائے نیل میں ڈال دیا اور اپنی بیٹی سے کہا کہ دریا کے کنارے کنارے چلتی رہو اور دیکھو کہ کیا ہوتا ہے؟ جب صندوق فرعون کے محل کے پاس سے گزر رہا تھا تو اس وقت فرعون کی بیوی اس وقت اپنی سہیلیوں کے ساتھ ساحل پر کھڑی تھیں۔ اس نے جب پانی میں ایک صندوق تیرتا ہوا دیکھا تو اسے باہر نکلوایا۔ جب اسے کھولا گیا تو اس میں ایک من موہنا بچہ تھا۔ بچے کو محل کے اندر لے جایا گیا۔ فرعون نے بچے کو قتل کرنے کا ارادہ کیا۔ مگر بیوی نے کہا:

"قُرَّةُ عَيْنٍ لِّيْ وَلَكَ ۖ لَا تَقْتُلُوْهُ ۖ عَسٰى اَنْ يَّنْفَعَنَآ اَوْ نَتَّخِذَهٗ وَلَدًا" (القصص:9)

"(یہ بچہ) میری اور تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہے، ہوسکتا ہے یہ ہمیں نفع پہنچائے یا ہم اسے بیٹا ہی بنالیں۔"

اب بچے کو دودھ پلانے کا مرحلہ ہے۔ موسیٰ علیہ السلام ہیں کہ کسی دایہ کا دودھ قبول ہی نہیں کر رہے۔ آپ کی بہن بھی وہاں پہنچ گئی تھیں۔ کہا: کیا میں تمہیں کسی ایسی خاتون کا پتہ نہ بتاؤں جو اس بچے کو دودھ بھی پلائے اس کی پرورش بھی کرے اور اس کی خیر خواہی بھی کرے؟ فرعون نے کہا: اسے لے کر آؤ۔ ادھر والدہ موسیٰ اپنے بچے کے بارے میں بے قرار بے چین تھیں۔ لڑکی جلدی سے گھر پہنچی اور والدہ کو لے کر فرعونی محل میں پہنچی۔ بچے نے فوراً دودھ قبول کرلیا۔ فرعونی خوش ہوگئے۔ انہوں نے خاتون کا وظیفہ بھی مقرر کر دیا اور بچے کو گھر لے جانے کی اجازت دے دی۔ یوں اللہ نے اپنا یہ وعدہ پورا فرما دیا:

"اِنَّا رَآدُّوْهُ اِلَيْكِ" (القصص:7)

"ہم اسے تیری طرف لوٹا دیں گے۔"

اب یہ چاند سے مکھڑے والا بچہ اپنی ماں کے ہاں پرورش پانے لگا۔ ماں اپنے اس نورِ نظر کو دیکھ دیکھ کر پھولے نہیں سماتی تھی۔

جب مدتِ رضاعت پوری ہوگئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پھر فرعونی محل میں پہنچا دیا گیا۔ اب آپ دشمن خدا کے گھر میں پروان چڑھنے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کی نشوونما مکمل ہوگئی اور آپ اپنی جوانی کو پہنچ گئے۔ اللہ جل شانہ نے آپ کو صحت، عقل، جمال، قوت وطاقت، حکمت اور علم عطا فرمایا اور آپ کو اولوالعزم رسولوں میں سے بنایا۔ آپ کا بقیہ قصہ مشہور ہے جو قرآن کریم کی تیس سے زیادہ سورتوں میں موجود ہے۔

قارئین! آپ نے غور فرمایا کس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی شفقتوں کا مینہ برسایا۔ انہیں قتل سے نجات بخشی۔ فرعون کی بیوی کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی بلکہ ہر دیکھنے والے کے دل میں آپ کی محبت ڈال دی "وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ" (طٰہٰ:37) اپنے دشمن کے گھر میں آپ کی پرورش کروائی اور آپ پر اپنی بے شمار مہربانیاں فرمائیں۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام:

حضرت یحییٰ علیہ السلام بھی اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر پیغمبروں میں سے ہیں۔ آپ کے والدِ ذی وقار حضرت زکریا علیہ السلام کی عمر بعض روایات کے مطابق ستر (70) سال اور بعض کے مطابق 120 سال اور آپ کی اہلیہ محترمہ کی عمر اٹھانوے سال ہوگئی تھی۔ لیکن ابھی تک آپ کے آنگن میں کوئی فرزند جلوہ گر نہیں ہوا تھا۔ آپ کو اپنے خاندان اور اعزہ واقارت میں کوئی جوہر قابل نظر نہیں آتا تھا جو آپ کے بعد آپ کی مسند پر بیٹھ سکے اور دعوت وارشاد کی کٹھن ذمہ داریوں کو ادا کر سکے۔ آپ اس سلسلے میں بہت فکر مند رہا کرتے تھے۔ ایک دن دل کی آرزو لبوں پہ آگئی اور آپ اپنے مولا

کے حضور یوں گویا ہوئے:

"رَبِّ اِنِّیْ وَهَنَ الْعَظْمُ مِنِّیْ وَاشْتَعَلَ الرَّاْسُ شَیْبًا وَّلَمْ اَکُنْۢ بِدُعَآئِكَ رَبِّ شَقِیًّا o وَاِنِّیْ خِفْتُ الْمَوَالِیَ مِنْ وَّرَآءِیْ وَكَانَتِ امْرَاَتِیْ عَاقِرًا فَهَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا o یَّرِثُنِیْ وَیَرِثُ مِنْ اٰلِ یَعْقُوْبَ ۗ وَاجْعَلْهُ رَبِّ رَضِیًّا" (مریم:4۔6)

"اے میرے رب! میری ہڈیاں کمزور ہوگئی ہیں اور (میرا) سر بڑھاپے کے باعث سفید ہوگیا ہے اور اے میرے رب! میں تجھ سے دعا کر کے کبھی نامراد نہیں رہا۔ اور میں اپنے پیچھے اپنے (بے دین) رشتہ داروں ڈرتا ہوں اور میری بیوی بانجھ ہے پس تو مجھے اپنی جناب سے ایک وارث فرما۔ جو میرا وارث بنے اور خاندانِ یعقوب کا وارث بنے اور اے میرے رب! اسے پسندیدہ (سیرت والا) بنا۔"

قارئین! آپ نے غور فرمایا اللہ کا پیارا نبی کس درد وسوز اور کتنے ادب واحترام سے اپنے خالق و مالک سے مانگ رہا ہے۔ ضیاء الامت حضرت پیر محمد کرم شاہ الزاہری نے یہاں خوب لکھا ہے۔ فرماتے ہیں:

"اللہ تعالیٰ کے پاک نبی کی طلب اور انداز طلب دونوں غور طلب ہیں۔ دستِ دعا پھیلانے والوں کو آدابِ بارگاہ صمدیت کی کیسی تعلیم دی جارہی ہے۔ سب سے پہلے اپنے عجز کا اعتراف ہے اور اپنی بے بسی اور بے کسی کا اظہار۔ الٰہی! اب تو میری ہڈیاں بھی بوسیدہ ہوگئی ہیں۔ میرے سر کے بال پرانہ سالی کے باعث برف کی طرح سفید ہو گئے ہیں۔ اس کے بعد عرض کی! میں تیرا وہ بندہ ہوں جسے تو نے عرصہ دراز سے اپنے لطف وکرم کا خوگر بنا دیا ہے۔ جب کبھی میں نے کوئی سوال کیا تو نے رد نہ کیا۔ جو بھی مانگا تو نے عطا فرمایا۔ تیرے کرم نے ہمیشہ میری آرزوؤں کی لاج رکھی۔ تیری عنایات آج تک مجھے کبھی ناشاد ونامراد نہ کیا۔ مجھے یقین ہے کہ حسب سابق اس خوگر

لطف وعنایت کی یہ التجا بھی شرفِ قبول سے سرفراز ہوگی۔"

سورہ آل عمران: 37*38 میں ہے کہ آپ نے یہ دعا حضرت مریم علیہ السلام کے حجرے کے پاس کھڑے ہوکر اس وقت مانگی جب آپ نے ان کے پاس کھانے کی طرح طرح کی چیزیں دیکھ کر پوچھا کہ اے مریم! یہ تیرے پاس کہاں سے آتی ہیں اور انہوں نے جواب دیا کہ یہ اللہ کے پاس سے آتی ہیں۔

رحیم وکریم پروردگار نے اپنے مقبول بندے کی عجز و نیاز میں ڈوبی ہوئی دعا کو شرف قبولیت سے نوازا۔ آپ اپنے حجرے میں مصروف نماز تھے کہ فرشتے خوشخبری لے کر آ پہنچے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًۢا بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ" (آل عمران:39)

"فرشتوں نے آپ کو آواز دی جبکہ آپ حجرے میں کھڑے نماز پڑھ رہے تھے کہ اللہ آپ کو (فرزندِ ارجمند) یحییٰ کی خوشخبری دیتا ہے جو اللہ کی طرف سے ایک کلمہ کی تصدیق کرنے والا، سردار، عورتوں سے بچنے والا اور صالحین میں سے ہوگا۔"

اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پانچ اوصاف جمیلہ کا تذکرہ فرمایا ہے:

1۔ وہ کلمہ اللہ (حضرت عیسیٰ علیہ السلام) کی تصدیق کرنے والے ہوں گے۔

2۔ وہ سردار ہوں گے۔

3۔ عورتوں سے بچنے والے ہوں گے۔

4۔ نبی ہوں گے۔

5۔ صالحین میں سے ہوں گے۔

غور فرمائیں! آج جب کسی کے ہاں بیٹا پیدا ہوتا ہے تو وہ کتنا خوش ہوتا ہے حالانکہ اسے یہ بھی پتہ نہیں ہوتا کہ بڑا ہو کر نیک ہوگا یا بد، فرماں بردار ہوگا یا نافرمان۔ اور جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے پہلے سے ہی بتا دیا کہ تمہارے ہاں ہونے والا فرزند نبی ہوگا اور اس میں مزید یہ یہ خصائل حمیدہ ہوں گے اس کی مسرت و شادمانی کا کیا عالم ہوگا؟

حضرت زکریہ علیہ السلام نے خوش و تعجب کے ملے جلے جذبات میں عرض کیا:

اے میرے پروردگار! میرے ہاں فرزند کیونکر ہوگا جبکہ مجھے بڑھاپے نے آلیا ہے اور میری بیوی بانجھ ہے، فرمایا: اللہ یونہی جو چاہتا ہے کرتا ہے۔

پھر عرض گزار ہوئے: اے میرے رب! میرے لیے کوئی نشان مقرر فرمادے، فرمایا: تمہاری نشانی ہے ہے کہ تم تین تک لوگوں سے بات نہیں کر سکو گے مگر اشارے سے۔ اور پھر فرمایا:

"وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِيِّ وَالْاِبْكَارِ" (آل عمران:41)

"اور اپنے رب کا کثرت سے ذکر کیجئے اور صبح شام (اس کی) تسبیح کیجئے۔"

اس سے پتہ چلا کہ جب اللہ تعالیٰ کوئی نعمت عطا کرے تو اس کا خوب ذکر کرنا چاہیے اور تسبیح بیان کرنا چاہیے۔

یہ مولود مسعود دنیا میں جلوہ گر ہوا تو حضرت زکریا علیہ السلام کی خوشی و شادمانی کی انتہا نہ رہی۔ چہرہ مبارک سے نور کی شعاعیں پھوٹی تھیں۔ بڑی شفقتوں اور محبتوں کے سائے میں پرورش ہونے لگی۔ آثار نجابت و شرابت بچپن سے ہی آپ کی پیشانی سے ہویدا تھا۔

بالائے شرش زہوش مندی
می تافت ستارہ بلندی
(سعدی)

منقول ہے کہ اس کم سنی کے زمانہ میں بچوں نے آپ کو کھیل کے لیے بلایا تو آپ نے فرمایا: " ماللعب خلتنا " ہم کھیل کے لیے پیدا نہیں ہوئے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس عظیم پیغمبر کو جن خصائلِ جمیلہ اور اوصاف حمیدہ سے مزین کیا تھا اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

" وَاٰتَيْنٰهُ الْحُكْمَ صَبِيًّا o وَّحَنَانًا مِّنْ لَّدُنَّا وَزَكٰوةً ۭ وَكَانَ تَقِيًّاo وَّبَرًّا بِوَالِدَيْهِ وَلَمْ يَكُنْ جَبَّارًا عَصِيًّا " (مریم:12-14)

" ہم نے انہیں دانائی عطا فرمائی جبکہ وہ ابھی بچے تھے۔ اور اپنی جناب سے دل کی نرمی اور نفس کی پاکیزگی، اور وہ بڑے پرہیزگار تھے۔ اور وہ اپنے والدین کے خدمت گزار تھے اور جابر اور سرکش نہیں تھے۔"

ان آیات میں حضرت یحییٰ علیہ السلام کے بارے میں درج ذیل باتیں بیان کی گئی ہیں:

1۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں بچپن میں ہی دانائی عطا فرمادی۔
2۔ انہیں دل کی نرمی اور پاکیزگی نفس عطا کی۔
3۔ وہ بڑے پرہیزگار تھے۔
4۔ وہ اپنے والدین کے خدمت گزار تھے۔
5۔ وہ جابر اور سرکش نہ تھے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنی خصوصی شفقتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا:

"وَسَلٰمٌ عَلَيْهِ يَوْمَ وُلِدَ وَيَوْمَ يَمُوْتُ وَيَوْمَ يُبْعَثُ حَيًّا" (مریم:15)

" اور ان پر سلام ہو جس دن ان کی ولادت ہوئی اور جس دن وہ انتقال فرمائیں گے اور جس دن انہیں زندہ کر کے اٹھایا جائے گا۔"

حضرت عیسیٰ علیہ السلام:

حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہا السلام بھی اللہ تعالیٰ کے جلیل القدر اور اولوالعزم رسولوں میں سے ہیں آپ کی نانی حضرت حنہ کے شوہر جو کہ بیت المقدس کے خدمت گزاروں میں سے تھے۔ وفات پا چکے تھے اور آپ امید سے تھیں۔ جن اس پاکباز خاتون نے حمل کی گرانی محسوس کی تو بارگاہِ خداوند ذوالجلال میں اپنی عجز وانکساری کا نذرانہ پیش کرتے ہوئے عرض گزار ہوئیں:

"رَبِّ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ مَا فِیْ بَطْنِیْ مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّیْ ۚ اِنَّکَ اَنْتَ السَّمِیْعُ الْعَلِیْمُ " (آل عمران:35)

"اے میرے رب! میرے شکم میں جو بچہ ہے میں اسے (سب کاموں سے) آزاد کر کے تیرے لیے اس کی نذر مانتی ہوں۔ سو تو میری طرف سے (یہ نذرانہ) قبول فرما، بے شک تو خوب سننے والا، سب کچھ جاننے والا ہے۔"

حضرت حنہ کو یہ امید تھی کہ بچہ پیدا ہوگا اور وہ اسے بیت المقدس کی خدمت گزاری کے لیے وقف کرنے کا شرحاصل کریں گی۔ لیکن ان کی توقع کے برعکس جب بچی پیدا ہوئی تو بصد حسرت و یاس کہنے لگیں: اے میرے رب! میں نے بچی جنی ہے اب میں اپنی نذر کیسے پوری کر سکتی ہوں۔ کیونکہ اس وقت بچیوں کو بیت المقدس کی خدمت کی اجازت نہیں تھی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَلَیْسَ الذَّکَرُ کَالْاُنْثٰی" (آل عمران:36)

"اور لڑکا (جس کا وہ سوال کر رہی تھیں) اس لڑکی کی طرح نہ تھا۔"

مقصد یہ ہے کہ اس بچی کی ولادت مقام افسوس نہیں ہے۔ جس لڑکے کی آرزو تم کیا کرتی تھیں وہ اس بچی کا کیا مقابلہ کر سکتا ہے جو ہم نے تم کو مرحمت فرمائی۔ اس کی ذات سے برکت و رحمت اور ہدایت کی جو کرنیں پھوٹیں گی وہ ایک عالم کو منورہ کر دیں

گی۔

پھر اللہ کے حضور عرض گزار ہوئیں:

"وَاِنِّیْ سَمَّیْتُهَا مَرْیَمَ وَاِنِّیْٓ اُعِیْذُهَابِكَ وَذُرِّیَّتَهَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ" (آل عمران:36)

"اور میں نے اس کا نام مریم رکھا ہے اور میں اسے اور اس کی اولاد کو تیری پناہ میں دیتی ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے اپنے مقبول بندی کی نذر کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت سے نوازا اور اپنے پیارے نبی حضرت زکریا علیہ السلام جو کہ حضرت مریم کے خالو بھی تھے، کی نگرانی میں دے دیا۔

"فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُوْلٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا" (آل عمران:37)

" پھر اس کے رب نے اسے بڑی اچھی قبولیت کے ساتھ قبول فرمایا اور اسے اچھی طرح پروان چڑھایا اور زکریا کو اس کا نگران بنا دیا۔"

ہیکل سلیمانی کے اردگرد ہیکل کے خادموں اور چلہ کشوں کے لیے جو کمرے بنے ہوئے تھے انہی میں سے ایک میں حضرت مریم مشغول عبادت رہا کرتی تھی۔ اور حضرت زکریا ان کے سرپرست ہونے کے ناتے اکثر ان کے ہاں تشریف لے جایا کرتے۔ آپ جب بھی حضرت مریم کے پاس جاتے تو ان کے ہاں طرح طرح کے پھل رکھے پاتے۔ گرمی کے پھل سردی میں اور سردی کے پھل گرمی میں۔ ایک دن آپ نے حضرت مریم سے پوچھا: اے مریم! تمہارے پاس یہ رزق کہاں سے آتا ہے؟ عرء کیا:

"هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَاۗءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ "

(آل عمران:37)

"یہ اللہ کے پاس سے ٹا ہے۔ بے شک اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق عطا فرماتا ہے۔"

جب حضرت مریم علیہا السلام جوانی کی عمر کو پہنچ گئیں تو ایک دن اپنے حجرے میں مصروف عبادت تھیں کہ اچانک دیکھا کہ ایک تندرست وتوانا خوبرونوجوان ان کے بالکل قریب کھڑا ہے۔ آپ اسے دیکھ کر گھبرا گئیں اور کہا:

"اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِالرَّحْمٰنِ مِنْكَ اِنْ كُنْتَ تَقِيًّا" (مریم:18)

"اگر تو پرہیز گار ہے تو میں تجھ سے رحمٰن کی پناہ مانگتی ہوں۔"

یہ حضرت جبرائیل علیہ السلام تھے جو انسانی شکل میں آئے تھے کیونکہ حضرت مریم انہیں ان کی ملکی شکل میں دیکھنے کی طاقت نہیں رکھتی تھیں۔ انہوں نے حضرت مریم علیہا السلام کو یہ کہہ کر مطمئن کر دیا:

"اِنَّمَآ اَنَا رَسُوْلُ رَبِّكِ گ لِاَهَبَ لَكِ غُلٰمًا زَكِيًّا" (مریم:19)

"میں تیرے رب کا بھیجا ہوا ہوں تا کہ تجھے ایک پاکیزہ فرزند عطا کروں۔"

حضرت مریم علیہا السلام کی تو ابھی شادی ہی نہیں ہوئی تھی، پھر ان کے فرزند کا ہونا چہ معنی دارد؟ چنانچہ بولیں:

"اَنّٰى يَكُوْنُ لِيْ غُلٰمٌ وَّلَمْ يَمْسَسْنِيْ بَشَرٌ وَّلَمْ اَكُ بَغِيًّا" (مریم:20)

"میرے ہاں کیونکہ بچہ ہوسکتا ہے جبکہ مجھے کسی بشر نے چھوا تک نہیں اور نہ میں بدچلن ہوں۔"

جواب ملا: اللہ نے اس کا فیصلہ کرلیا ہے اب ایسا ہی ہوگا اور بن باپ کے بیٹا عطا کرنا اس پر کچھ مشکل نہیں، یہ بچہ لوگوں کے لیے اللہ کی قدرت کی نشانی اور سراپا رحمت ہوگا۔

پھر جبرائیل امین علیہ السلام نے حضرت مریم علیہا السلام کے گریبان میں پھونک ماری اور وہ حاملہ ہوگئیں۔ منشائے خداوندی پر آگاہ ہوکر حضرت مریم علیہا السلام خود تو مطمئن ہوگئیں لیکن اپنی عفت وطہارت کو لوگوں کے بہتانوں سے کیسے محفوظ رکھا جائے۔ سو انہوں نے عافیت اسی میں سمجھی کہ لوگوں کی نظروں سے اوجھل ہو جائیں۔ چنانچہ اپنے حجرہ عبادت کو خیر باد کہا اور دور ایک گوشہ تنہائی میں تشریف لے گیئں۔

جب مدتِ حمل پوری ہوگئی اور درزہ شروع ہوگیا تو کھجور کے ایک تنے کی اوٹ میں آگئیں۔ اب یہ احساس تیز تر ہوگیا کہ اب تک تو لوگوں کی نگاہ سے چھپی رہی اب جب بچہ پیدا ہوگا تو لوگوں کا سامنا کیسے کروں اور انہیں کیا منہ دکھاؤں گی۔ شدتِ غم میں آپ کی زبانِ منارک پر یہ الفاظ آگئے:

"يٰلَيْتَنِيْ مِتُّ قَبْلَ هٰذَا وَكُنْتُ نَسْيًا مَّنْسِيًّا" (مریم:23)

" کاش! میں اس سے پہلے مرگئی ہوتی اور بالکل ہی بھلا دی گئی ہوتی۔"

جب آپ کی پریشانی کی حد نہ رہی تو نیچے سے آواز آئی: مریم پریشان کیوں ہوتی ہو، یہ دیکھ تیرے پروردگار نے تیرے نیچے پانی کی ندی جاری کر دی ہے۔ جب تیرے خالق و مالک کی نظرِ رحمت وشفقت ہر وقت تیری طرف مبذول ہے تو پھر پریشان ودیگر کیوں ہو؟ پھر حکم ہوا اس کھجور کے تنے کو ہلاؤ تم پر تازہ پکی ہوئی کھجوریں گریں گی۔ وہی پروردگار جو تمہیں تمہارے حجرہ عبادت میں بے موسم کے پھل عنایت کرتا تھا اس نے تمہارے ایام زچگی میں تمہارے لیے اس عمدہ غذا کا اہتمام کر دیا ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنے نور برساتے ہوئے چہرے اور روشن پیشان کے ساتھ دنیا میں جلوہ گر ہو چکے ہیں اور اپنی طیبہ وطاہرہ ماں کے سامنے موجود ہیں۔ ماں کی دلجوئی کرتے ہوئے حکم ملتا ہے: اے مریم! میٹھے میٹھے خرمے کھاؤ، ٹھنڈا پانی پیو اور

اپنے فرزندِ دلبند کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کرو۔ اور دیکھو تمہاری گود میں بچہ دیکھ کر لوگ اگر تم پر زبان طعن دراز کریں تو تمہیں اپنے دفاع میں کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، فقط اتنا کہہ دینا:

"اِنِّیْ نَذَرْتُ لِلرَّحْمٰنِ صَوْمًا فَلَنْ اُکَلِّمَ الْیَوْمَ اِنْسِیًّا"(مریم:26)

" بے شک میں نے رحمٰن کے لیے (خاموشی کے) روزے کی نذر مانی ہے سو میں آج کسی انسان سے بات نہیں کروں گی۔"

جب کچھ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئیں تو اپنے نورِ نظر کو گود میں اٹھائے ہوئے گھر لوٹیں۔ جب کنبہ والوں نے دیکھا کہ کنواری مریم اپنی گود میں بچہ اٹھائے ہوئے آ رہی ہے تو بول اٹھے:

" اے مریم! تو نے بہت برا کام کیا ہے۔ اے ہارون کی بہن! نہ تیرا باپ برا تھا نہ تیری ماں بدچلن تھی۔" (مریم:27-28)

آپ نے خود کوئی جواب دینے کی بجائے بچہ کی طرف اشارہ فرمایا کہ اسی سے پوچھ لو۔ انہوں نے کہا: اے مریم! کیا تم ہمارے ساتھ مذاق کر رہی ہو؟ وہ شیر خوار بچہ جو ابھی جھولے میں جھول رہا ہے وہ ہمیں کیا جواب دے گا؟ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دودھ پی رہے تھے۔ لوگوں کی یہ باتیں سن کر آپ نے دودھ پینا چھوڑ دیا اور یوں گویا ہوئے:

"اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰهِ ۛ اٰتٰنِیَ الْكِتٰبَ وَجَعَلَنِیْ نَبِیًّاo وَّجَعَلَنِیْ مُبٰرَكًا اَیْنَ مَا كُنْتُ ۪ وَاَوْصٰنِیْ بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةِ مَا دُمْتُ حَیًّاo وَّبَرًّۢا بِوَالِدَتِیْ ۡ وَلَمْ یَجْعَلْنِیْ جَبَّارًا شَقِیًّاo وَالسَّلٰمُ عَلَیَّ یَوْمَ وُلِدْتُّ وَیَوْمَ اَمُوْتُ وَیَوْمَ اُبْعَثُ حَیًّا" (مریم:30-33)

" بے شک میں اللہ کا بندہ ہوں، اس نے مجھے کتاب دی ہے اور مجھے نبی بنایا

ہے۔میں جہاں بھی ہوں اس نے مجھے برکت والا بنایا ہے اوراس نے مجھے حکم دیا ہے کہ جب تک میں زندہ رہوں نماز اور زکوٰۃ ادا کروں۔اوراس نے مجھے میری والدہ کا خدمت گزار بنایا ہے اور مجھے جابر اور بدبخت نہیں بنایا۔اور مجھ پر سلام ہو جس دن میری ولادت ہوئی اور جس دن میں انتقال کروں گا اور جس دن میں زندہ کر کے اٹھایا جاؤں گا۔"

قارئین! آپ نے ملاحظہ فرمایا اللہ تعالیٰ نے خانوادہ عمران پر کس طرح اپنی رحمتوں اورکرم نوازیوں کی بارش فرمائی۔حضرت مریم علیہا السلام کو پروردگار نے بچپن سے چن لیا،حضرت زکریا علیہ السلام جیسے جلیل القدر پیغمبر کوان کا نگران و کفیل بنایا۔بچپن سے ہی ان کے دل میں اپنی یاد کی لگن پیدا کر دی۔پھر انہیں اولوالعزم رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ماں بننے کا شرف بخشا۔پھر حضرت مسیح علیہ السلام کواللہ تعالیٰ عالمِ شیرخوارگی میں قوتِ گویائی بخشی اور ان کی زبانِ مبارک پر ایسا فصیح و بلیغ کلام جاری فرما دیا کہ ان کی مقدسہ ومطہرہ ماں پر طعنہ زنی کرنے والوں کی زبانیں گنگ ہو گئیں۔اللہ کے ان پیاروں پر اس کا سلام ہو۔

فخر الانبیاء سیدنا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم:

اللہ تعالیٰ کی رحمت نے یہ چاہا کہ اپنے محبوب محمدِ عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو آخری آسمانی پیغام دے کر زمین پر بھیجے۔آپ اپنے جدِ امجد ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی دعا کی قبولیت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت کی تصدیق بن کر خاکدانِ ارضی پر جلوہ گر ہوئے۔

اللہ عزوجل اپنے محبوب پر ہمہ وقت اپنی رحمتوں اور برکتوں کی بارش برساتا ہے۔فرشتے بھی اپنی کوثر وتسنیم سے دھلی زبانوں سے آپ پر درود وسلام بھیجتے ہیں اور اللہ جل شانہ کے حکم کی تعمیل میں اہل ایمان بھی بڑی محبت و تعظیم سے آپ پر صلوٰۃ وسلام

کے پھول نچھاور کرتے ہیں۔

"اِنَّ اللّٰهَ وَمَلٰٓئِكَتَهٗ يُصَلُّوْنَ عَلَي النَّبِيِّ ۭ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا"(الاحزاب:46)

"بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی (مکرم) پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی آپ پر درود بھیجو اور خوب سلام عرض کرو۔"

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی دنیا میں تشریف آوری سے پہلے پروردگارِ عالم نے جتنے بھی انبیاء ورسل بھیجے، مخصوص زمانوں میں مخصوص علاقوں کی طرف بھیجے۔ لیکن اس ہستی کو تا قیامِ قیامت سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ" (الانبیائ:107)

"اور ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا۔"

رسولِ طاہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے نورانی بچپن کی قرآن کریم میں تفصیلات نہیں البتہ اشارات ملتے ہیں۔ مثلاً سورۃ الضحیٰ میں فرمایا:

"اَلَمْ يَجِدْكَ يَتِيْمًا فَاٰوٰى" (الضحیٰ:4)

"کیا اس نے آپ کو یتیم نہیں پایا پھر (اپنی آغوشِ رحمت میں) جگہ دی۔"

اور اپنے محبوب کی زبانی اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"فَقَدْ لَبِثْتُ فِيْكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ" (یونس:14)

"میں اس سے پہلے تمہارے درمیان عمر (کا ایک حصہ) گزار چکا ہوں۔"

اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مبارک بچپن کی قارئین کو جھلکیاں دکھانے کے لیے کتبِ حدیث وسیرت سے مدد لوں گا۔ اللہ تعالیٰ میری مدد فرمائے۔

مربی کو چاہیے کہ اپنے بچوں کو حبیبِ اعظم، رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا نسب نامہ یاد کروائے۔ آپ کا نسبہ نامہ یوں ہے۔

" محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدِ مناف بن قُصی بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر بن نزار بن معد بن عدنان ۔"

آپ کی والدہ ماجدہ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کا نسب نامہ یوں ہے:

" آمنہ بنت وہب بن عبدمناف بن زہرہ بن کلاب بن مُرہ بن کعب بن لویی بن غالب بن فہر"

جب سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا حاملہ ہوئیں تو جس طرح حاملہ عورتوں کو دروان حمل طرح طرح کی تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے آپ کو کوئی درد اور تکلیف نہیں ہوئی۔ آپ خود فرماتی ہیں:

" مجھے پتہ ہی نہ چلا کہ میں حاملہ ہوگئی ہوں اور نہ ہی مجھے کوئی ایسا بوجھ محسوس ہوا جیسا حاملہ عورتوں کو محسوس ہوتا ہے، مجھے صرف اتنا پتہ چلا کہ میرے ایام ماہواری بند ہو گئے ہیں۔"

جب ایام حمل پورے ہو گئے اور ولادتِ مصطفیٰ ﷺ کا وقت قریب آیا تو یہ عام الفیل بارہ ربیع الاول کی رات تھی۔ چاند آسمان پہ نور افشانیاں کر رہا تھا۔ جب صبح صادق کا وقت ہوا تو وہ ماہ چہاردہم طلوع ہوا جس کا صدیوں سے انتظار تھا۔ ہر طرف نور ہی نور پھیل گیا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

" لقد رایت لیلۃ وضع رسول اللہ صلی اللہ والہ وسلم نورا اضائ ت لہ قصور الشام حتی رابتھا"

" جس رات رسول کریم ﷺ کی ولادتِ باسعادت ہوئی میں نے ایک نور دیکھا جس سے شام کے محلات جگمگا اٹھے حتیٰ کہ میں نے انہیں دیکھا۔"

آپ کی دایہ حضرت شفاء رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں:

"فاضاءلی مابین المشرق والمغرب،حتی نظرت الی بعض قصور الشام"

"میرے سامنے مشرق ومغرب کے درمیان روشنی پھیل گئی یہاں تک کہ میں نے شام کے بعض محلات دیکھے۔"

رسولِ طاہر صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا چہرہ مبارک جمال وجلال کے انوار سے جگمگ کر رہا تھا۔ سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس وقت کس قدر تمنا کی ہوگی کہ کاش! اس مولود مسعود کے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس وقت زندہ ہوتے تو انہیں کس قدر مسرت وشادمانی ہوتی۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ولادتِ باسعادت سے آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی ازحد مسرور وشادمان تھے۔ جب آپ کو اپنے بلند اقبال پوتے کی ولادت کی خوشخبری ملی تو آپ اسے اٹھا کر کعتبہ اللہ لے گئے اور اس عظیم عطیے پر اللہ تعالیٰ کا شکر بجالائے۔

ابن واقد کہتے ہیں کہ اس وقت حضرت عبدالمطلب کی زبان پر یہ شعر جاری ہوگئے:

ے الحمدللہ الذی اعطانی ہذاالغلام الطبب الاردان

سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے پاکیزہ آستینوں والا یہ بچہ دیا

ے قدسادفی المہد الغلمان اعیذہ بالبیت ذی اروکان

یہ پنگھوڑے میں سب بچوں کا سردار ہے، میں اسے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں

ے حتی اراہ بالغ البنیان اعیذہ من شر ذی شنآن

من حاسد مضطرب العیان

یہاں تک کہ میں اسے طاقتور وتوانا دیکھوں میں اسے ہر حاسد آنکھیں گھمانے والے کے شر سے اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں

جب آپ کی ولادتِ مبارکہ کو چند دن گزر گئے تو آپ کے دادا کو دایہ کی تلاش ہوئی۔ کیونکہ اس زمانے میں اہلِ عرب اپنے بچوں کو دایوں کے سپرد کر دیتے تھے تاکہ وہ صحرا کی کھلی فضا میں پرورش پائیں ان کے جسم طاقتور و توانا بنیں اور وہ وہاں فصیح و بلیغ بان سیکھیں۔ مکہ میں دایاں آتی جاتی رہتی تھیں۔ ان دنوں بھی کئی دایاں وہاں آئیں لیکن قسامِ ازل نے یہ سعادت عظمیٰ قبیلہ بنو سعد کی حلیمہ سعدیہ کے نصیب میں لکھی تھی۔ کہ وہ اس مولودِ مبارک کو دودھ پلانے اور پرورش کرنے کا شرف حاصل کرے۔ حلیمہ سعدیہ اور ان کا خاوند حارث اس دولت سرمدی کو پا کر از حد مسرور و شادماں تھے۔

ان دنوں حلیمہ سعدیہ کا علاقہ قحط کی سخت لپیٹ میں تھا اور خشک سالی کا دور دورہ تھا۔ جب وہ ننھے حضور کو اپنے ساتھ لے کر اپنے گھر پہنچیں تو آپ کی برکت سے سارا علاقہ سرسبز و شاداب ہوگیا اور کھیتوں میں ہریالی آ گئی۔ حضرت حلیمہ کی بکریوں کے تھنوں میں دودھ بھر آیا۔ حضرت حلیمہ کو دو سال اللہ کے حبیب کو دودھ پلانے اور آپ کی پرورش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ مدت رضاعت پوری ہونے کے بعد حضرت حلیمہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو لے کر آپ کی والدہ ماجدہ کے پاس آئیں۔ جب سیدہ آمنہ نے اپنے نورِ نظر کو دیکھا ہوگا تو ان کی خوشی و مسرت کا کیا عالم ہوگا؟ حضرت حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ کے پاس لے تو آئیں لیکن ان کا دل نہیں چاہتا تھا کہ آپ کو چھوڑ کر جائیں۔ چنانچہ اصرار کیا کہ مجھ کچھ عرصہ کے لیے بچے کو پھر ساتھ لے جانے دیں۔ حضرت حلیمہ نے اجازت دے دی۔ جب آپ اس بختِ بیدار کو لے کر گھر پہنچیں تو افرادِ خانہ کی خوشی کی حد نہ رہی۔ آپ کی رضاعی بہن شیما کی خوشی تو دیدنی تھی۔ کبھی آپ کو کھلاتی کبھی پلاتی اور کبھی لوریاں دیتے ہوئے گویا ہوئی:

یاربنا ابق لنا محمدا حتیٰ اراہ یا فعا وامردا

اے ہمارے رب! محمد کو ہمارے لیے سلامت رکھ یہاں تک کہ میں اسے جوان گھبرو دیکھوں

ثم اراہ سیدا مسودا واکبت اعادیه معاو الحسد

پھر میں اسے ایسا سردار دیکھوں جس کی سب اطاعت کر رہے ہوں اور اس کے دشمنوں کو اور حاسدوں کو ذیل ورسوا کر

واعطه عزیدورائبد

اور اسے وہ عزت عطا کر جو دائم ہو

ابوعروہ الازدی جب ان اشعار کو پڑھتے تو کہتے:

"مااحسن مااجاب اللہ دعاءھا!"

"اللہ نے اس کی دعا کو کیا ہی خوب قبول فرمایا۔"

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حضرت حلیمہ کے ہاں واپسی کے دو تین ماہ بعد شق صدر کا واقعہ پیش آیا۔ پس حلیمہ آپ کو آپ کی والدہ طاہرہ کے ہاں چھوڑ گئیں۔ اب آپ اپنی والدہ ماجدہ کے سایہ عاطفت میں پرورش پانے لگے۔ سیدہ آمنہ کے آنگن میں کھلنے والے اس گل رنگین کی خوشبو سے گھر کی فضا معطر ومعنبر رہتی۔ نہ صرف سیدہ کا گھر بلکہ آس پاس کے گھر بھی خوشبودار رہتے۔ آپ کے دادا حضرت عبدالمطلب بھی آپ پر اپنی شفقتیں اور محبتیں خوب نچھار کیا کرتے۔

جب طفلِ جمیل محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر چھ سال ہوئی تو آپ کی والدہ طاہرہ آپ کو لے کر مدینہ منورہ گئیں۔ حضرت ام ایمن بھی ساتھ تھیں۔ یہ قافلہ دو اونٹوں پر سوار تھا۔ آپ دارِ نابغہ میں ٹھہریں اور ایک مہینہ وہاں قیام کیا۔ اپنے شوہر نامدار سیدنا عبداللہ کی قبر کی وہاں زیارت کی۔ سیدِ عالم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب مکہ سے مدینہ ہجرت کی تو آپ

اس زمانے کی یادوں کو تازہ کیا کرتے تھے۔ حضرت ام ایمن فرماتی ہیں کہ وہاں پر میں نے ایک یہودی کو یہ کہتے سنا:

" ھو نبی ھذہ الامۃ، وھذہ دار ھجرتہ"

" یہ اس امت کے نبی ہیں اور یہ ان کا دارِ ہجرت ہے۔"

مدینہ میں ایک ماہ گزارنے کے بعد یہ مبارک قافلہ جانب مکہ چل پڑا۔ جب ابواء کے مقام پر پہنچے ت وسیدہ آمنہ سلام اللہ علیہا نے داعی اجل کو لبیک کہا۔ ذرا تصور کریں اللہ کے حبیب کے دل نازل پر کیا گزری ہوگئی۔ حضرت ام ایمن نے سیدہ کو یہیں پہ دفن کیا اور پیارے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ساتھ لے کر مکہ کی طرف چل پڑیں۔ گھر پہنچنے پر جب حضرت عبدالمطلب نے اور دیگر گھر والوں نے سیدہ آمنہ کو نہ دیکھا ہوگا تو ان پر رنج و غم کا پہاڑ پڑا ہوگا۔

شفیق والدہ کی وفات کے بعد اس من موہنے بچے کو اس کے دادا حضرت عبدالمطلب نے اپنی پرورش میں لے لیا۔ وہ پہلے ہی آپ پر واری واری جاتے تھے۔ اب تو ان کی محبت میں کئی گنا اضافہ ہو گیا۔

ابن اسحٰق فرماتے ہیں:

" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دادا حضرت عبدالمطلب کے ظل کعبہ میں سند بچھائی جاتی۔ آپ کے فرزندانِ گرامی اس کے اردگرد بیٹھتے اور آپ کی تعظیم کے پیش نظر کوئی اس پر نہ بیٹھتا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کہ ابھی بچے ہی تھے، بے دھڑک اس پر بیٹھ جاتے۔ حضرت عبدالمطلب فرماتے: دعوا ابنی، فواللہ ان لہ لشانا (میرے بیٹے کو چھوڑ دو، بخدا اس کی بڑی شان ہوگی) پھر آپ کو اپنے ساتھ بٹھاتے، آپ کی پشت پر ہاتھ پھیرتے اور آپ کی معصومانہ اداؤں کو دیکھ کر مسرور ہوتے۔"

جب رسول اطہر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک آٹھ سال کی ہوئی تو آپ کے دادا حضرت

عبدالمطلب بھی وفات پا گئے۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا، آپ نے حضرت ابوطالب کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنی حفاظت و پرورش میں لینے کی وصیت کی۔ پھر حضرت عبدالمطلب وفات پا گئے اور مجون میٹ میں دفن کیئے گئے۔

حضرت عبدالمطلب کی وصیت کے مطابق سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگہداشت کی سعادت حضرت ابوطالب کے حصہ میں آئی۔ آپ کی مالی حالت اچھی نہ تھی لیکن اس کے بعد آپ نے خدمت گزاری کا حق ادا کر دیا۔ آپ اپنے بچوں سے بھی زیادہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پیار کرتے۔ ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی آنکھوں سے اوجھل نہ ہونے دیتے۔ رات کو سوتے تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پہلو میں لٹاتے۔ کھانے کا وقت ہوتا تو اس وقت تک دسترخوان نہ چنا جاتا جب تک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف نہ لاتے۔ اگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم موجود نہ ہوتے تو اپنے کسی بھتیجے کو بھیجتے تاکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ڈھونڈ کر لے آئے۔ حضور اکرم وَصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنے کے بعد کھانا شروع کیا جاتا۔ اپنے چچا کے دسترخوان پر جب شریک ہوتے تو اس کی برکتیں بھی ظہور پذیر ہوتیں۔ اگر آپ کے بچے کبھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بغیر کھانا کھاتے تو کھانا نہ ہوتا تو بھوکے اٹھ آتے لیکن جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہوئے تو سارے خوب سیر ہو کر کھاتے اور کھانا بھی بچ جاتا۔ یہ دیکھ کر ابو طالب کہتے "انک لمبارک" اے میرے بیٹے تو بڑا بابرکت ہے۔

رسول مکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عنایات ربانی کے زیر سایہ اپنے شفیق چچا حضرت ابوطالب کے ہاں پروان چڑھتے رہے۔ یہاں تک کہ جب آپ کی عمر پچیس سال ہوگئی تو انہوں نے طیبہ وطاہرہ خاتون حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے آپ کی شادی کر دی۔ چشم فلک نے ایسا حسین وجمیل اور مبارک جوڑا کب دیکھا ہوگا؟ جب عمر مبارک چالیس سال کی ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے آپ کو منصبِ نبوت ورسالت پر فائز فرمایا۔

نزول وحی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے نبوت کو آپ پر ختم فرما دیا اور یوں آپ خاتم الانبیاء والمرسلین ٹھہرے۔

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اپنے حبیب ومحبوب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ان مبارک ناموں کا بھی تذکرہ کریں جن سے آپ کے پروردگار جل وعلا نے قرآن کریم میں آپ کو موسوم فرمایا۔ ان میں محمد چار مواقع پر اور احمد ایک مقام پر آیا ہے۔ اور دیگر اسماء یہ ہیں: عبداللہ، رسول، نبی، امی، شاہد، مبشر، نذیر، سراج منیر، رءوف رحیم، نذیر مبین، مذکر، شہید، مصدق، نور۔ بعض علماء نے قرآن وحدیث کی روشنی میں آپ کے سینکڑوں نام گنوائے ہیں۔

میں یہیں پر اس مبارک سلسلے کا اختتام کرتا ہوں اس امید پر کہ والدین اپنے بچوں کو قرآنِ کریم میں بیان کردہ انبیاء علیہم السلام کے یہ مبارک حالات سنائیں گے اور یوں ہماری نسلِ نور کے سائے میں پروان چڑھے گی۔

اعلیٰ حضرت احمد رضا خان اور کنز الایمان، اہل علم کی نظر میں

ڈاکٹر شاکر حسین خان

اعلیٰ حضرت، مولانا احمد رضا خان فاضل بریلوی، کی شخصیت مذہب اور مختلف حوالوں سے کسی تعارف کی محتاج نہیں ہے۔ متحدہ ہندوستان کے معروف اکابر علماء میں شمار ہوتے ہیں۔ انہوں نے کم وبیش 55 علوم پر دسترس حاصل کی مختلف زبانوں، اردو، ہندی، فارسی اور عربی پر عبور رکھتے تھے۔ ہماری ذاتی رائے ہے کہ وہ ترکی، پشتو، پنجابی اور بنگالی کے ساتھ اور بھی علاقائی زبانیں جانتے ہوں گے۔ ان کے پاس افریقہ اور چین سے بھی سوالات آئے تھے۔ اس کے لیے ملاحظہ کر سکتے ہیں فتویٰ افریقہ، اور اظہارِ حق جو چائینہ سے معلوم کیے گئے سوالوں کے جوابات میں لکھی گئی۔ فتویٰ رضویہ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی میں آئے ہوئے سوالات کے انگریزی میں جواب دیئے گئے ہیں اور ان کا معیار بھی اعلیٰ ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کے ہاں انگریزی ادب کا بھی اہتمام تھا۔ اگر چہ مولانا بریلوی انگریزوں کے سخت مخالف تھے لیکن اگر ہم یہ کہیں کہ مولانا بریلوی پائے کے انگریزی ادب کے حامل تھے تو غلط نہ ہوگا۔ اگر ہم دار العلوم دیوبند کے استادوں کے استاد علامہ انور شاہ کشمیری سے فاضل بریلوی کا موازنہ کریں تو وہ صرف عربی میں لکھتے تھے اردو نہیں لکھ سکتے تھے ختمِ نبوت پر اردو میں کتاب مفتی محمد شفیع کو لکھنے کا کہا۔ جب کے فاضل بریلوی کی عربی تحریر کو عربی داں اور اردو تحریر کو اردو داں پڑھ کر حیران ہوجاتے ہیں بلکہ رشک رشک کر اٹھتے ہیں۔ مولانا بریلوی کے تلامیذہ اور خلفاء میں ایسے لوگ شامل تھے جو کلاسکل انگریزی جانتے تھے جیسے علامہ عبد العلیم صدیقی اور ان کے صاحب زادے مولانا شاہ احمد نورانی وغیرہ۔

انھوں نے متعدد کتابیں اردو عربی اور فارسی میں لکھیں جن کی تعداد ایک ہزار بتائی گئی ہے۔ ان میں ایک، کنز الایمان فی ترجمۃ القرآن، بھی ہے۔ جس کے محاسن اس مقالہ میں پیش کیے جائیں گے۔

سابقہ کام کا جائزہ:

مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت اور ان کی خدمات پر بہت کام اور مختلف زاویوں سے ہو چکا ہے اگر یہ کہا جائے کے کسی عالم دین پر ان سے زیادہ کام نہیں ہوا تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ لیکن افسوس یہ کہ ان پر ہونے والا اکثر کام یا تو مداح سرائی پر مبنی ہے یا پھر مکمل طور پر بے جا تنقید پر مبنی ہے۔ اور کچھ کام ان دونوں کے درمیانی صورتوں کا بھی ہے جو بہت کم ہے۔

مداح سرائی پر مبنی کام کی مثال، ڈاکٹر مجید اللہ قادری کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی باعنوان کنز الایمان اور دیگر معروف قرآنی تراجم ہے، قادری صاحب ڈیپارٹمنٹ آف پیٹرولیم اینڈ ٹیکنالوجی سے تعلق رکھتے ہیں، ریٹائرڈ ہیں اور وہ تفسیر و تجوید وقراءت کے آدمی بھی نہیں ہیں۔ جہاں تک تنقید کا تعلق ہے تو تنقید آنکھیں کھول کر کر نی چاہیے یہ نہیں کہ سیاق وسباق سے ہٹ کر بات کی جائے۔ "جہاں سُوا، نہ جائے وہاں بھالا گھسیڑنے کی کوشش کی جائے۔" اس کی مثال، مولانا محمد الیاس گھمن کی کتاب" کنز الایمان کا تحقیقی جائزہ" ہے۔ درمیانی صورتوں کی مثال ڈاکٹر محمد شکیل اوج کا مقالہ برائے پی ایچ ڈی باعنوان" قرآن مجید کے آٹھ منتخب اردو تراجم کا تقابلی مطالعہ" کی دی جاسکتی ہے۔ لیکن یہ کام صرف آخری سپارے کی چند آیتوں پر مشتمل ہے اور اس میں ان آیتوں کا ترجمہ شامل نہ ہوسکا جو انتیس سپاروں میں ہیں اور ان میں سے بعض آیات کا فاضل بریلوی نے بے مثال و بینظیر ترجمہ بھی کیا ہے۔

المیہ یہ ہے کہ مولانا احمد رضا خان بریلوی کی شخصیت اور ان کا تعارف کے لیے

صرف انھیں زرائع کو استعمال کیاجاتا ہے یا فاضل بریلوی کے بارے میں معلومات صرف انھیں سے لی جاتی ہیں جومولانا بریلوی کے نام پر کاروبار کرتے ہیں۔یعنی صرف مدح سرائی کرتے ہیں اور جانبدار ہیں۔حالانکہ فاضل بریلوی معصومیت کے منصب پر فائز نہ تھے۔ہم نے کوشش یہ کی ہے کہ اعلیٰ حضرت مولانااحمدرضاخان بریلوی کی شخصیت کے بارے میں معلومات زیادہ تران حوالوں سے لی ہیں جن کے حوالے دینا کم ہوگئے ہیں اور یہ کہ زیادہ تر ان علماء کے حوالے دیے ہیں جوغیرمسلک کےتصور کیے جاتے ہیں۔اس کی سب سے اہم وجہ یہی ہے کہ ہم میں جومحبت کا بحران ہے وہ ختم ہوجائے اور ہم محبت، اخلاص، رواداری، اتحاد، احترام اورملن ساری میں خودکفیل ہوجائیں۔

ولادت باسعادت:

فاضل بریلوی مولانااحمدرضاخان نسباً پٹھامسلکاً حنفی اورمشرباً قادری تھے۔ والد ماجدمولانانقی علی خان (متوفی 1297ھ/1880)اورجدِّ امجدمولانارضاعلی خان (1282ھ/1865ء) عالم اور صاحب تصنیف بزرگ تھے۔فاضل بریلوی کی ولادت 10 شوال المکرم 1272ھ مطابق 14 جون 1856ء کو ریلی (یو۔پی، بھارت) میں ہوئی محمد نام رکھا گیااور تاریخی نام المختار(1272ھ) تجویز کیا گیا۔جدِّ امجد نے احمدرضا نام رکھا بعد میں خود فاضل بریلوی نے عبدالمصطفیٰ کا اضافہ کیا سن ولادت اس آیت کریمہ سے نکالا" **أُوْلَئِكَ كَتَبَ فِي قُلُوبِهِمُ الْإِيمَانَ وَأَيَّدَهم بِرُوحٍ مِّنْه**۔1۔(1272ھ)2۔

خاندانی پس منظر:

ان کےآباءواجدادقندھارکےموقرقبیلہ بڑیچ کے پٹھان تھے۔شاہانِ مغلیہ کے عہد میں وہ لاہور آئے اورمعزز عہدوں پر ممتاز ہوئے،لاہور کا شیش محل انھیں کی

جا گیر تھا پھر وہاں سے دہلی آئے اور معزز عہدوں پر فائز رہے۔محمد سعید خان شمس ہزاری عہدہ پر فائز تھے۔شجاعتِ جنگ انھیں خطاب عطا ہوا تھا۔ان کے صاحب زادے سعادت یار خان، منجانب سلطنت ایک مہم سر کرنے کے بعد بریلی روہیل کھنڈ بھیجے گئے۔فتح یابی پر ان کو بریلی کا صوبہ دار بنانے کے لیے فرمان شاہی آیا۔لیکن وہ ایسے وقت آیا کہ جب وہ بستر مرگ پر تھے۔ان کے تین صاحب زادے جو بڑے بڑے مناصب جلیلہ پر ممتاز تھے۔ان کا وظیفہ ایک ہزار موہوار سے کم نہ تھا۔اعظم خان صاحب بریلی تشریف فرما ہوئے اور مبتلی الی اللہ ہوکر زہد خالص وترک دنیا اختیار فرمایا شاہزادہ کا تکیہ جو محلہ معماراں بریلی میں ہے آج بھی انھیں کی نسبت سے مشہور ہے، انھوں نے وہیں قیام فرمایا اور وہیں ان کا مزار ہے۔ان کے صاحب زادے حافظ محمد کاظم علی خان ہر پنج شنبہ کو سلام کے لیے حاضر ہوتے اور گرانقدر رقم پیش کش حاضر کیا کرتے۔3۔

حافظ محمد کاظم علی خان، شہر بدایوں کے تحصیل دار تھے دوسو سواروں کی بٹالی خدمت میں رہا کرتی، یہ ہمیشہ اس کوشش میں تھے کہ سلطنت مغلیہ اور انگریزوں میں جو گٹر بڑھے دور ہوجائے اور اس سلسلہ میں کلکتہ بھی تشریف لے گئے تھے۔شاہ رضا علی خان (جدِّ امجد، فاضل بریلوی) نے، شہر ٹونک میں مولوی خلیل الرحمٰن سے علوم درسیہ حاصل کر کے بائیس سال کی عمر میں سند حاصل فرمائی۔ اہل ہنود کے ہولی کے تہوار پر بازار میں گزر فرمایا، ایک ہندو طوائف نے ان پر رنگ ڈال دیا، ایک جوشیلے جوان نے اوپر جا کر مارنا چاہا، فرمایا، کیوں تشدد کرتے ہو اس نے مجھ پر رنگ چھوڑا ہے خدا اسے رنگ دے، اتنا زبان سے نکلا تھا وہ عورت ان کے اخلاق سے متاثر ہوکر اسلام لے آئی۔4۔

تعلیم وتربیت:

مولانا احمد رضا خان نے اپنے والد اور دوسرے اساتذہ سے علوم منقولہ معقولہ

کی تحصیل کی، جن حضرات سے انہوں نے پڑھا، یا سند حدیث وفقہ حاصل کی ان کے اسماء گرامی یہ ہیں، شاہ آل رسول مارہوی، مولانا محمد نقی علی خان (والد ماجد)، شیخ احمد بن زین دھلان مکی، شیخ عبدالرحمٰن سراج مکی، شیخ حسین بن صالح، مولانا عبدالعلی رام پوری، شاہ ابوالحسن احمد النوری، مرزا غلام قادر بیگ، مولانا بریلوی نے جن علوم و فنون کی تحصیل کی اپنے اساتذہ اور ذاتی مطالعہ سے کی ان کی تعداد 55 تک پہنچتی ہے یہ تمام تفصیلات محدث بریلوی نے اس عربی سند میں دی ہے جوانھوں نے حافظ کتب الحرم شیخ اسمٰعیل خلیل مکی کو عنایت کی۔ اس سند کا مسودہ6 صفر 1324ھ/ 1906ء کو تیار ہوامبیضہ 8 صفر 1324ھ/ 1906ء کو اس کا تاریخی نام ہے" الاجازۃ الرضویہ لمبجل مکۃ البھیہ ۔1324ھ۔ محدث بریلوی نے اس میں مندرجہ ذیل علوم وفنون کا ذکر کیا ہے۔(1)علم قرآن (2)علم حدیث (3)اصول حدیث (4)فقہ حنفی (5) کتب فقہ جملہ مذاہب (6)اصول فقہ(7) جدول مہذب(8)علم تفسیر(9)علم العقائد و الکلام(10)علم نحو(11)علم صرف (12) علم معانی (13) علم بیان (14) علم بدیع(15)علم منطق(16) علم مناظرہ(17)علم فلسفہ(18)علم تکسیر(19)علم ھیاۃ(20)علم حساب(21)علم ہندسہ۔ مندرجہ بالا اکیس علوم کے لیے محدث بریلوی لکھتے ہیں یہ اکیس علوم ہیں، جنھیں میں نے اپنے والد قدس سرہ الماجد(مولانا محمد نقی علی خان) سے حاصل کیا۔ ان علوم وفنون کے بعد مندرجہ ذیل علوم کا ذکر کرتے ہیں:

(22)قراءت(23)

تجوید(24)تصوف(25)سلوک(26)اخلاق(27)اسماء الرجال (28) سیر (29) تاریخ(30)لغت(31)ادب مع جملہ فنون۔ ان دس علوم کے بارے میں لکھا ہے۔ میں نے اساتذہ سے بالکل نہیں پڑھا پر نقاد علماء کرام سے مجھے ان کی

اجازت حاصل ہے۔ پھران علوم وفنون کا ذکر کیا ہے۔

(32)ارثماطیقی (33) جبر و مقابلہ(34)حساب ستینی (35)لوغار ثمات (36)علم التوقیت (37)مناظر و مرایا (38)علماالاکر(39) زیجات (40) مثلث کروی (41)مثلث مسطح(42)ھیاۃ جدیدہ(43)مربعات (44) جفر (45)زائرچہ۔

اورآخرمیں مندرجہ ذیل علوم وفنون کا ذکر ہے۔

(46)نظم عربی(47)نظم فارسی (48)نظم ہندی(49)نثر عربی (50)نثر فارسی(51) نثر ہندی(52)خط نسخ(53)خط نستعلیق(54)تلاوت مع تجوید (55)علم فرائض۔مندرجہ بالا55علوم وفنون کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں۔اللہ کی پناہ میں نے یہ باتیں فخر اور خواہ مخواہ کی خدستائی کے طور پر بیان نہیں کیں منعم کریم کی عطافرمودہ نعمت کا ذکر کیا ہے۔محدث بریلوی محیرالمعقول فطری ذکاوت کی وجہ سے علوم عقلیہ ونقلیہ سے بہت جلد فارغ ہوگئے چناں چہ خود لکھتے ہیں میں نے جب پڑھنے سے فراغت پائی اور میرا نام فارغ التحصیل علماء میں شمار ہونے لگا اور یہ واقعہ نصف شعبان1286ھ کا ہے۔ اس وقت میں تیرہ سال،دس ماہ، پانچ دن کا تھا،اسی روز مجھ پر نماز فرض ہوئی تھی اور میری طرف شرعی احکام متوجہ ہوتے تھے۔5۔

علمی مقام ومرتبہ:

مولانا کوثر نیازیؒ اپنے ایک تحقیقی مقالہ امام احمد رضا خان بریلوی ایک ہمہ جہت شخصیت میں رقم طراز ہیں" اردو زبان میں جب کبھی آں حضرت والا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار ختمی مرتبت ﷺ کا وجود باوجود ذہن میں آجاتا ہے اور جب اعلیٰ حضرت کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے سرکار کے ایک غلام احمد رضا خان بریلوی کا نام سامنے آجاتا ہے۔دیکھا جائے تو یہ مقام امام احمد رضا خان کو ان

کے ماننے والوں کی خوش عقیدگی سے نہیں ملا یہ ان کے فنا فی الرسول اور ایک ہمہ جہت شخصیت ہونے کا فیضان برصغیر میں یوں تو کئی جامع الصفات شخصیات گزری ہیں مگر جب ایک غیر جانب دارانہ مبصر ان سب کا جائزہ لیتا ہے تو جیسی ہمہ صفت موصوف شخصیت امام رضا کی نظر آتی ہے ویسی کوئی دوسری نظر نہیں آتی ۔6۔ نیازی صاحب فرماتے ہیں گردش ایام کی یہ بھی ایک عجیب ستم ظریفی ہے کہ تاریخ کی اکثر و بیشتر عظیم شخصیات مقبول ہونے کے ساتھ ساتھ مظلوم بھی رہی ہیں، انھوں نے ہمیشہ اپنے باب میں لوگوں کو دو خانوں میں تقسیم کیا ہے، کسی کو غیر جانبدار نہیں چھوڑا۔ کچھ کو ان سے سخت عقیدت رہی ہے تو کچھ عداوت کی حد تک ان کے مخالف رہے ہیں۔ یہی صورت حال امام احمد رضا کی شخصت کے باب میں رہی جو ان کی شخصیت کا عرفان رکھتے ان کے نزدیک وہ برصغیر کے امام ابوحنیفہ تھے۔ اور جو ان سے مخاصمت کی حد تک مخالفت رکھتے ہیں ان کے نزدیک وہ ایک بدعتی متشدد مفتی، اور مناظر اور ایک انگریز نواز، مولوی تھے۔ معاصرت تو ہمیشہ سے سبب منافرت رہی ہے لیکن افسوس کے ان کی وفات کے اکہتر سال بعد بھی نقد و نظر کا مطلع اب تک گرد آلود ہے۔ تعصب کی رنگین عینک لگا کر دیکھنے والوں نے صاف نظروں سے ابھی تک ان کا روئے تاباں دیکھنے کی کوشش نہیں کی۔ اگر وہ انصاف کرتے تو انھیں یہ جاننے میں کوئی دشواری نہ ہوتی کہ امام رضا کی مخالفت پھیلائے جانے والا پروپیگنڈا مخالفین کے اپنے دلوں پر چھائے ہوئے غبار کدورت کا نتیجہ ہے۔7۔

نیازی صاحب فرماتے ہیں کہ میں نے صحیح بخاری کا درس مشہور دیوبندی عالم شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلوی مرحوم و مغفور سے لیا ہے۔ کبھی کبھی اعلیٰ حضرت کا ذکر آجاتا تو مولانا کاندھلویؒ فرمایا کرتے مولوی صاحب! (اور یہ مولوی صاحب ، ان کا تکیہ کلام تھا) مولانا احمد رضا خان کی بخشش تو انہی فتوؤں کے سبب

ہوجائے گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔احمد رضا خان ! تمھیں ہمارے رسول سے اتنی محبت تھی کہ اتنے بڑے بڑے عالموں کو بھی تم نے معاف نہیں کیا تم نے سمجھا کہ انھوں نے توہین رسول کی ہے وان پر بھی کفر کا فتویٰ لگادیا، جاؤ ایک عمل پر ہم نے تمہاری بخشش کردی کم و بیش اسی انداز کا ایک واقعہ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا محمد شفیع دیوبندی سے میں نے سنا۔فرمایا" جب حضرت مولانا احمد رضا خان صاحب کی وفات ہوئی تو حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ کو کسی نے آکر اطلاع کی،مولانا تھانوی نے بے اختیار دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے جب وہ دعا کر چکے تو حاضرین مجلس میں سے کسی نے پوچھا وہ تو عمر بھر آپ کو کافر کہتے رہے اور آپ ان کے لیے دعائے مغفرت کر رہے ہیں،فرمایا (اور یہی بات سمجھنے کی ہے) کہ مولانا احمد رضا خان نے ہم پر فتوے اس لیے لگائے کہ انھیں یقین تھا کہ ہم نے توہین رسول کی ہے اگر وہ یہ یقین رکھتے ہوئے بھی ہم پر کفر کا فتویٰ نہ لگاتے تو خود کافر ہوجاتے۔حقیقت میں جسے لوگ امام احمد رضا کا تشدد قرار دیتے ہیں، وہ بارگاہ رسالت میں ان کے ادب واحتیاط کی روش کا نتیجہ ہے۔8۔

پروفیسر محی الدین الوائی (مصری) لکھتے ہیں احمد رضا بچپن ہی سے دنیاوی آرائشوں کی طرف ملتفت نہ تھے لوگوں سے معاملات میں حلم تواضع بلند اخلاق کے ساتھ پیش آتے تھے 1294ھ میں آپ قطب زماں حضرت مولانا سید شاہ آل رسول سے بیعت ہوئے آپ کی علمی سرگرمیوں میں تصوف اتقاء پرہیز گاری کے بہترین نمونے ہیں جس کی بنا پر آپ بہت جلد سارے ہندوستان میں مشہور ہوگئے اور آپ کے پاس نور معرفت کے پروانے ہر طرف سے آنے لگے۔شیخ احمد رضا دو مرتبہ حج بیت اللہ وزیارت روضہ نبوی کے لیے تشریف لے گئے۔آپ نے اپنے دونوں سفروں میں عرب کے اسلامی وعلمی مرکزوں کو بھی دیکھا وہاں کے علماء سے

ملاقات کی علوم اور معاملات دینیہ میں مشورے بھی کیے۔حجاز کے مشہور علماء حدیث کی مخصوص اسانید سے حدیث روایت کرنے کی اجازتیں بھی حاصل کیں اور خود بھی اپنی مخصوص اسناد سے وہاں کے علماء کو حدیث روایت کرنے کی اجازت دی۔" 9۔

انتقال پر ملال:

ڈاکٹر محمد شکیل اوجؔ رقم طراز ہیں: مولانا بریلوی نے 25 صفر المظفر 1340ھ/ 1921ء/ یوم جمعۃ المبارک دوپہر دو بج کر 38 منٹ پر اس سرزمین پر انتقال کیا جہاں پیدا ہوئے اور تمام زندگی گزاری۔شہر بریلی محلہ سوداگراں میں دارالعلوم منظر اسلام کے شمال جانب ایک پرشکوہ عمارت میں آپ کا مزار ہے۔ آپ کا عرس ہر سال 24۔25 صفر کو متعدد مقامات پر ہوتا ہے۔10۔ پروفیسر محی الدین الوائی کے بقول" آپ کا مزار بریلی میں مریدین ومحبین کے لیے ہمیشہ زیارت گاہ رہے گا۔11۔

اولادِ امجاد:

ڈاکٹر محمد شکیل اوج رقم طراز ہیں مولانا بریلوی کے یہاں دو صاحب زادے اور پانچ صاحب زادیاں تولد ہوئیں۔ صاحب زادگان اپنے وقت کے بڑے مشہور عالم ہوئے۔ مولانا حامد رضا خان 1875ء/1292ھ میں پیدا ہوئے۔ کتب معقول ومنقول والد ماجد سے پڑھیں۔ 19 سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہوئے۔ ستر برس کی عمر پائی۔ 23 سال والد کے جانشین رہے۔ 1942ء/1361ھ میں عین حالتِ نماز میں انتقال ہوا۔مولانا مصطفیٰ رضا خان 1892ء/1309ء کو پیدا ہوئے۔ ابتداً اپنے بھائی سے پڑھا پھر مولانا شاہ رحیم الٰہی منگلوری سے مستفید ہوئے۔ الفتاویٰ المصطفویہ آپ کی علمی یادگار ہے۔12۔

خلفاء وتلامذہ:

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی قدس سرہ کے بے شمار خلفاء تھے۔ جو پاک و ہند اور حرمین و شریفین میں پھیلے ہوئے تھے۔ حرمین شریفین میں آپ کے خلاء کی تعداد جن کو تحریری اجازت نامے عطا کیے تھے پچاس سے اوپر تھے۔ بہت سے حضرت کو زبانی اجازت فرمائی ان کی تعداد کا صحیح علم نہیں۔ حرمین شریفین کے علاوہ پاک و ہند میں آپ کے بکثرت خلفاء اور تلامذہ ہیں ان میں سے چند ایک کے اسمائے گرامی درجِ ذیل ہیں: حامد رضا خان، مصطفیٰ رضا خان، حسن رضا خان، محمد رضا خان، ظفر الدین بہاری، دیدار علی شاہ الوریٰ، امجد علی اعظمی، سید نعیم الدین مراد آبادی، عبد العلیم صدیقی میرٹھی، احمد اشرفی جیلانی، احمد مختار صدیقی، عبد الاحد قادری، عمر بن ابوبکر، ضیاء الدین مدنی، حسنین رضا خان، محمد شریف کوٹلی لوہاراں، عبد السلام جبل پوری، ابوالبرکات سید احمد قادری، شاہ حبیب اللہ قادری، پروفیسر سلیمان اشرف، حشمت علی خان پیلی بھیتی، سید محمد فیلانی، عبد الواحد پیلی بھیتی، رحیم بخش قادری، عبد الباقی برہان الحق جبل پوری، شفیع احمد بیل پوری، وغیرہ وغیرہ بہت مشہور ہیں۔13۔

تصانیفِ رضا:

علامہ شبلی نعمانی لکھتے ہیں مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی جو اپنے عقائد میں سخت ہی متشدد ہیں مگر اس کے باوجود مولانا کا علمی شجر اس قدر بلند درجہ کا ہے کہ اس دور کے تمام عالم دین اس مولوی احمد رضا خان صاحب کے سامنے پرِ کاہ کی حیثیت بھی نہیں رکھتے اس احقر (شبلی) نے بھی آپ کی متعدد کتابیں دیکھی ہیں جس میں احکام شریعت اور دیگر کتابیں بھی دیکھی ہیں اور نیز یہ کہ مولانا صاحب کی زیر سرپرستی ایک ماہوار رسالہ الرضا بریلی سے نکلتا ہے جس کی چند سطور بغور وخوص دیکھی ہیں جس میں بلند پایہ مضامین شائع ہوتے ہیں۔14۔

(جاری ہے)

لفظِ شمع کی تذکیر وتانیث کا مسئلہ

علامہ ابوالحسن واحد رضوی

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

انتہائی ادب واحترام کے ساتھ آپ کی بارگاہ میں ایک سوال عرض ہے کہ لفظ "شمع" مؤنث ہے یا مذکر یا پھر دونوں؟ تشفی بخش جواب عنایت فرمائیں کرم بالائے کرم ہوگا۔

سائل محمد راحت انجم (ممبئی)

الجواب بعون الملک الوھّاب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

لفظِ شمع عموماً مؤنث باندھا جاتا ہے۔لیکن اعلیٰ حضرت قدس سرہ کے ہاں مذکر بھی باندھا گیا ہے۔یعنی آپ قدس سرہ نے دونوں طرح باندھا ہے۔اشعار نقل کرنے سے پہلے، تذکیر وتانیث کے حوالے سے کچھ فوائد تحریر کیے جاتے ہیں۔تاکہ آئندہ اس قسم کے جملہ سوالات کے لئے، ازخود جواب فراہم ہوجائے۔

فائدہ(۱) اردو میں، الفاظ کی تذکیر وتانیث کے لئے اہل زبان نے بعض قواعد وضع کیے ہیں مگر بعض الفاظ ان قواعد کی قید سے آزاد اور مستثنیٰ ہیں۔اور یہ استثناء، خود اہل زبان نے ہی روا رکھا ہے۔

فائدہ(۲) بعض الفاظ، بعض علاقوں میں مذکر اور بعض علاقوں میں مؤنث بولے جاتے ہیں۔اور یہ فرق بھی خود اہل زبان کا طے کردہ ہے۔یعنی وہ اپنے اسلوبِ سخن اور ذوقِ تکلم کی بنا پر ایسا کرتے ہیں۔مثلاً: لفظِ آغوش، لکھنؤ میں مذکر جبکہ دہلی میں مؤنث بولا جاتا ہے اسی طرح [التماس] لکھنؤ میں مؤنث جبکہ دہلی میں مذکر بولا

جا تا ہے۔ یونہی لفظِ [شر] بمعنیٰ جھگڑا، عموماً مذکر استعمال ہوتا ہے لیکن دلّی والے مؤنث بھی بولتے ہیں۔اسی طرح لفظِ [طرز] کو مذکر بھی بولتے ہیں اور مؤنث بھی۔لفظِ [فاتحہ] دیکھئے! لکھنؤ میں کہتے ہیں: کس کا فاتحہ ہے؟ جبکہ اہل دہلی مؤنث استعمال کرتے ہیں، استاد داغ کا شعر ہے ۔

عدو پڑھتے ہیں سیفی حضرت داغؔ

پڑھو اب فاتحہ تم اپنے دم کی

فائدہ(۳) بعض اہل زبان، کسی لفظ کے معنیٰ یا معنوی مقتضیٰ کو سامنے رکھتے ہوئے، مطلوبہ لفظ کی تذکیر و تانیث کا تعین کرتے ہیں۔ جیسے لفظِ آب بمعنیٰ: پانی مذکر استعمال ہوتا ہے اور بمعنیٰ: چمک، مؤنث مستعمل ہے۔

فائدہ(۴) بے جان چیزوں میں حقیقی تذکیر و تانیث نہیں ہوتی۔لہذا یہاں اکثر تذکیر و تانیث کا تعلق کسی چیز کے صغر و کبر سے بھی ہوتا ہے۔ایسے میں کسی ایک ہی چیز کو مذکر بھی بولا جاسکتا ہے اور مؤنث بھی بولا جاسکتا ہے۔یعنی بڑائی کے معنیٰ میں مذکر اور چھٹائی کے معنیٰ میں مؤنث بولا جاسکتا ہے۔اور یہ بڑائی، چھٹائی، ظاہری حجم اور جسم کے علاوہ، معنوی بھی ہوسکتی ہے۔اور معنوی بڑائی، چھٹائی، متکلم کے اپنے ذوق اور مطلوبہ معنیٰ کی اہمیت و افادیت کے حوالے سے متعین ہوگی۔

فائدہ(۵) بعض اوقات جانداروں میں بھی تذکیر و تانیث کے الفاظ یکساں ہوتے ہیں۔یعنی ایک ہی لفظ مذکر بھی استعمال ہوتا ہے اور مؤنث بھی۔ جیسے: کوا، مذکر کے ساتھ ساتھ، مؤنث کے لئے بھی بولا جاتا ہے۔ ایسے ہی: باز، کچھوا، شکرہ، مگرمچھ، الّو، اژدھا، خرگوش وغیرہ۔اور بعض نام بظاہر مؤنث ہیں لیکن وہ مذکر کے لئے بھی بولے جاتے ہیں یعنی ایک ہی وقت میں وہ مذکر بھی ہیں اور مؤنث بھی، جیسے: قمری، بطخ، چیل، مینا، فاختہ، مچھلی، مکھی، مرغابی، لومڑی وغیرہ۔

فائدہ(٦)   بعض اوقات کسی لفظ کو پہلے پہل مؤنث باندھا گیا بعد ازاں مذکر مستعمل ہونے لگا۔اسی طرح اس کے برعکس بھی، جیسے:لفظِ [سانس] پہلے تمام شعرا، مؤنث باندھتے رہے بعد ازاں مذکر باندھنا شروع کر دیا۔اسی طرح لفظِ [مالا] پہلے مذکر مستعمل تھا مگر بعد میں مؤنث باندھا گیا۔

فائدہ(٧)   کوئی اہل زبان، بڑا شاعر،خود ذاتی طور پر بھی کسی لفظ کی تذکیرو تانیث کاتعین کرتا ہے۔اور اِس تعین کی کئی وجوہات ہوسکتی ہیں۔مثلاً معنیٰ کالحاظ بھی ہوسکتا ہے۔بلاغی تقاضا بھی ہوسکتا ہے اور بڑائی چھٹائی کا لحاظ بھی ہوسکتا ہے۔اسی طرح اس متکلم کے اپنے ذوقِ سخن کا بھی تقاضا ہوسکتا ہے۔ایسے میں دوسرا اہل زبان ،اس کی تردید نہیں کرسکتا البتہ اپنے ذوق کا اظہار کرتے ہوئے کسی بھی لفظ کا کی تذکیرو تانیث کا اپنے لئے تعین کرسکتا ہے۔

کسی بھی لفظ کی تذکیرو تانیث کے حوالے سے درج بالا فوائد ہمیشہ پیش نظر رہنے چاہییں۔اب آیئے لفظِ [شمع] کی طرف۔جیسا کہ مسطور ہوا کہ لفظِ شمع مؤنث بولا جاتا ہے مگر چونکہ بے جان چیز کا اسم ہے لہذا، اگر کوئی شاعر،اہل زبان، کسی بلاغی معنیٰ ومقصد کے لئے، مذکر بھی استعمال کرے تو جائز ہوگا۔اعلیٰ حضرت قدس سرہ نے اس لفظ کو مذکر و مؤنث دونوں طرح باندھا ہے۔مذکر کی مثالیں ملاحظہ ہوں!

(١)

طور پر جو شمع تھا ، چاند تھا ساعیر کا
نیر فاراں ہوا تم پہ کروروں درود

(٢)

شمع دل ، مشکوٰۃ تن ، سینہ زجاجہ نور کا
تیری صورت کے لئے آیا ہے سورہ نور کا

(۳)

بزم آخر کا شمع فروزاں ہوا
نور اوّل کا جلوہ ہمارا نبی

(۴)

بجھ گئیں جس کے آگے سبھی مشعلیں
شمع وہ لے کر آیا ہمارا نبی

(۵)

وہ کمال حسن حضور ہے کہ گمان نقص جہاں نہیں
یہی پھول خار سے دور ہے، یہی شمع ہے کہ دھواں نہیں

(۶)

غوث اعظم قدس سرہ کی منقبت میں آپ قدس سرہ کو مخاطب کر کے عرض کیا:

اور پروانے ہیں جو ہوتے ہیں کعبہ پہ نثار
شمع اک تُو ہے کہ پروانہ ہے کعبہ تیرا

ہمارے ناقص خیال کے مطابق درج بالا تمام اشعار میں لفظِ شمع مذکر باندھا گیا ہے۔ اور مذکر باندھنے کے بلاغی معانی ومقاصد، بھی اہل فن پر عیاں ہیں۔ جہاں تک مؤنث باندھنے کا تعلق ہے تو اس کی مثالیں بھی حدائق بخشش میں موجود ہیں۔ لیکن وہاں لفظِ [شمع] بمعنیٰ حقیقی ، استعمال ہوا ہے، استعاراتی انداز میں نہیں۔ اہل ذوق، خود وہ مثالیں، تلاش کرلیں گے۔

اگر کوئی شخص اطمینانِ قلب کے لئے، لفظِ شمع کی مثل، کوئی اور مثال طلب کرتا ہے تو ہم کہیں گے ایسی مثالیں بھی موجود ہیں، مثال کے طور پر لفظِ [فکر] کو دیکھ لیجئے! دہلی والے اسے بیک وقت مذکر بھی باندھتے ہیں اور مؤنث بھی، استاد

داغ دہلوی کا شعر ہے۔

گزر جائے گی ہر صورت کروں کیوں داغؔ اندیشہ

مرے مولا کو ہر دم فکر ہے میرے گزارے کا

اس شعر میں جنابِ داغ نے لفظ [فکر] کو مذکر باندھا ہے۔اب انھی کے شاگرد، استاذِ زمن جناب حسن رضا خاں (برادرِ اعلیٰ حضرت) کا شعر ملاحظہ ہو۔

فکر اسفل ہے مری مرتبہ اعلیٰ تیرا

وصف کیا خاک لکھے خاک کا پتلا تیرا

اس شعر میں جناب حسن نے لفظِ [فکر] کو مؤنث باندھا ہے۔

خود اعلیٰ حضرت کے ہاں اور الفاظ بھی مل جائیں گے۔مثلاً: لفظِ [مثل] اردو میں مؤنث استعمال ہوتا ہے مگر اعلیٰ حضرت نے اس مصرع میں مذکر استعمال کیا، ملاحظہ ہو!

ع تو ہی سرورِ ہر دو جہاں ہے شہا! ترا مثل نہیں ہے خدا کی قسم!

اگر مؤنث باندھتے تو فرماتے: تری مثل نہیں۔۔تو کلمہ: [ترا] نے لفظ کی تذکیر کا تعین کر دیا۔

خلاصۂ تحریر یہ ہے کہ

[۱] لفظِ [شمع] عموماً مؤنث استعمال ہوتا ہے مگر اعلیٰ حضرت کے ہاں مذکر بھی باندھا گیا ہے۔اور مذکر کا استعمال استعاراتی ومجازی انداز میں کیا گیا ہے جبکہ حقیقی معنیٰ میں مؤنث ہی باندھا گیا ہے۔

[۲] اردو میں، بے جان چیزوں کے اسماء، مذکر ومؤنث دونوں طرح باندھے گئے ہیں اور اس میں زیادہ تر شاعر کے ذوق، یا سماجی رواج کا عمل دخل ہوتا ہے۔

[۳] کبھی کسی بلاغی معنیٰ کے لئے،لفظِ مذکر کو مؤنث یا لفظِ مؤنث کو مذکر بھی

باندھا جاتا ہے۔

[۴] ایک ہی لفظ بعض علاقوں میں مذکر جبکہ بعض علاقوں میں مؤنث مستعمل ہے۔

[۵] لکھنؤ اور دہلی کے اہل زبان میں تذکیر و تانیث کے حوالے سے اختلاف پایا جاتا ہے جبکہ بعض الفاظ میں اہل دلی کا آپس میں بھی اختلاف موجود ہے۔

محترم! امید ہے درج بالا تفصیل کے بعد، اسماء کی تذکیر و تانیث کے حوالے سے آپ کا ذہن کھل جائے گا اور کسی بھی اختلاف کو سمجھنے میں آسانی ہوگی۔ زاد اللہ ذوقکم وزین صدرکم بنور المحبۃ والمعرفۃ۔

●●●

مرزا غالب کی فارسی نعت گوئی

طفیل احمد مصباحی

مرزا اسد اللہ خاں غالب کی شخصیت محتاجِ تعارف نہیں۔ غالب کے غلبۂ شعر و سخن اور علوئے فکر و فن کا ایک جہاں قائل ہے۔ وہ کون سی شعری عظمت ہے جو اس بادہ خوار شاعر کو حاصل نہیں اور وہ کون سا فکری امتیاز ہے جو اس دانائے سخن کو میسر نہیں۔ شاعر، ادیب، مفکر، فلسفی، باکمال غزل گو، قصیدہ و مثنوی نگار اور نعت و منقبت کے ایک عظیم المرتبت شاعر کی حیثیت سے ان کا رتبہ کافی بلند ہے۔ وہ اردو و فارسی کے ایسے مایۂ شاعر تھے، جن کو شعرائے متقدمین کی یادگار اور متاخرین کا پیشوا کہا جاتا ہے۔ غالب نہایت ذہین، طباع، بلند فکر اور جینئس تھے۔ ان کی بلند قامت شاعری نے اردو زبان کا سر فخر سے بلند کر دیا۔ اردو اور فارسی زبان و ادب پر انہیں غیر معمولی دسترس حاصل تھی۔ انہوں نے اردو و فارسی شاعری کی مختلف اصناف غزل، قصیدہ، مثنوی، نعت و منقبت، قطعات اور رباعی میں طبع آزمائی کی ہے۔ لیکن غزل و قصیدہ ان کا خاص میدان تھا۔ 27 / دسمبر 1797ء کو آگرہ میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام میرزا عبد اللہ بیگ ہے۔ ابھی پانچ سال کے تھے کہ سایۂ پدری سے محروم ہو گئے۔ چچا نصر اللہ بیگ نے کفالت کی۔ غالب کی تربیت اور ابتدائی عربی و فارسی تعلیم آگرہ ہی میں ہوئی۔ تیرہ سال کی عمر میں میرزا الٰہی بخش معروف خاں کی بیٹی "امراؤ بیگم" سے شادی ہوئی اور شادی کے بعد غالب آگرہ سے دہلی منتقل ہو گئے اور آخری دم تک وہیں مقیم رہے۔ غالب اردو سے کہیں زیادہ فارسی شاعری میں مہارت رکھتے تھے۔ دیوانِ غالب (اردو) میں جتنے اشعار ہیں، ان کے فارسی کلیات میں ان سے کئی گنا زیادہ اشعار ہیں۔ غالب کی شاعری کا سب سے بڑا کمال ان کا زورِ تخیل، دقیق

فلسفیانہ فکر و اسلوب، بلند پروازی اور ان کی معنیٰ آفرینی ہے۔ دورانِ شعر گوئی ایسے ایسے نادر خیالات اور فکر انگیز تشبیہات ڈھونڈ کر لاتے ہیں کہ حیرت ہوتی ہے۔ غالب کے تہہ دار فکر و فن پر روشنی ڈالتے ہوئے نواب مصطفیٰ خان شیفتہ "گلشنِ بے خار" میں لکھتے ہیں :

دار الخلافہ شاہجہاں آباد اس (غالب) سے نسبت پا کر اصفہان و شیراز کو شرماتا ہے۔ غالب، معنیٰ آفرینی کے باغ کا اونچی اڑان بھرنے والا ہے طوطی ہے۔ اسلوبِ بیان کے چمن کا خوش گلو بلبل ہے۔ اس کے خیال کی بلندی کے سامنے بلند ترین آسمان پست زمین کے مترادف ہے۔ یہ اپنے غور و تفکر دریا میں معمولی سا بھی غوطہ لگاتا ہے تو اس سے قارون کا خزانہ لے آتا ہے۔ اس کی فکر کا شاہین ہمیشہ عنقا کے شکار کے لیے زحمتِ پرواز کرتا ہے اور اس کی طبع کا اسپ تازی میدانِ فلک عبور کرنے کو ہی زقند لگاتا ہے۔ اگر آج عمدہ مال (شعر و سخن کا سرمایہ) کسی کو درکار ہے تو اس کی دکان کے علاوہ کہیں نہ پا سکے گا..................ان تمام باتوں کے پیش نظر ایسا نکتہ شناس شاعر کم ہی وجود میں آتا ہے۔

(گلشنِ بے خار اردو، ص:261، ناشر: قومی کونسل اردو، نئی دہلی)

غالب اردو و فارسی کے جتنے عظیم اور قادر الکلام شاعر تھے، اتنے ہی بڑے ادیب و نثر نگار بھی تھے۔ فارسی و اردو نظم و نثر میں ان کی مندرجہ ذیل کتابیں یادگار ہیں : (1) پنج آہنگ (2) مہرِ نیمروز (3) دستنبو (4) قاطع برہان (5) درفش کاویانی۔ قاطعِ برہان کا جدید ایڈیشن اضافے کے ساتھ۔ (یہ ساری کتابیں فارسی نثر میں ہیں) (5) کلیاتِ نظم فارسی (6) سبد چین ۔ غالب کی مختلف مثنویوں کا مجموعہ (7) دعائے صباح ۔ عربی زبان میں حضرت مولیٰ علی مشکل رضی اللہ عنہ سے منسوب دعاؤں کا منظوم فارسی ترجمہ (8) متفرقاتِ غالب ۔ خطوط، نظم اور دو مثنوی

کا فارسی مجموعہ۔(9) دیوانِ غالب اردو۔(10) عودِ ہندی۔مجموعۂ خطوط (11) اردوئے معلیٰ (12) مکاتیبِ غالب (13) نادراتِ غالب (14) نکاتِ غالب ورقعاتِ غالب (15) قادر نامہ۔

غالب کا شمار عالمی سطح پر اردو کے صفِ اول کے شعرا میں ہوتا ہے۔غالب کو شہرت ومقبولیت ان کے اردو" دیوان" کی بدولت ملی۔حالاں کہ یہ خود اپنی اردو شاعری کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے اور اسے پارٹ ٹائم جاب سمجھتے تھے۔غالب نے اس حقیقت کا بارہا اظہار کیا ہے کہ شعروسخن کا اصل جوہر دیکھنا ہو تو میری فارسی نظم اور فارسی کلام کا مطالعہ کرو۔غالب کے فارسی دیوان وکلیات واقعی اس لائق ہیں کہ ان کو فارسی کے قادرالکلام شعرا کے دواوین وکلیات کے مقابل رکھا جا سکے۔چچا غالب کہتے ہیں :

فارسی بیں تا بہ بینی نقشہائے رنگ رنگ
بگذر از مجموعۂ اردو کہ بے رنگ من است

(میری شاعری کے رنگ برنگ نقش ونگار دیکھنا چاہو تو میرے فارسی کلام کی طرف نظر کرو اور میری بے رنگ اردو شاعری کی طرف دھیان نہ دو)

غالب کی حیات اور ان کی اردو شاعری کے مختلف گوشوں پر اب تک ہزاروں مضامین اور سینکڑوں کتب ورسائل تحریر کیے جا چکے ہیں،لیکن ان کی فارسی شاعری و فارسی نعت گوئی کو وہ اہمیت نہیں دی گئی،جس کی وہ مستحق تھی۔غالب اردو کے علاوہ فارسی کے ایک عظیم المرتبت اور مسلم الثبوت شاعر تھے۔عربی وفارسی ادبیات پر ان کی گہری نظر تھے۔اپنی فارسی دانی وفارسی شاعری پر ناز کرتے تھے۔الطاف حسین حالی کے بقول:" مرزا (غالب) نے عربی میں صرف ونحو کے سوا اور کچھ استاد سے نہیں پڑھا تھا،مگر چوں کہ علمِ لسان سے ان کو فطری مناسبت تھی۔ان کی نظم ونثر اردو و فارسی کے دیکھنے سے کہیں اس بات کا خطرہ تک دل میں نہیں گزرتا کہ یہ شخص عربیت اور فنِ

ادب سے ناواقف ہوگا.........شاعری جس کا ملکہ ان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا تھا، اس سے قطع نظر کر کے فارسی زبان اور فارسی الفاظ ومحاورات کی تحقیق اور اہلِ زبان کے اسالیبِ بیان پر مرزا کو اس قدر عبور تھا کہ خود اہلِ زبان میں بھی مستثنیٰ آدمیوں کو ایران کے مستند شعرا کی زبان پر اس قدر عبور ہوگا "۔

(یادگارِ غالب، ص:58، مطبوعہ: نامی پریس، کان پور)

غالب نے اردو کی طرح فارسی زبان میں بھی مختلف اصناف پر طبع آزمائی کی ہے۔ کلیاتِ غالب و دیوانِ غالب میں غزل، قصیدہ، مثنوی، قطعات، رباعی اور تاریخ گوئی کے شہکار نمونے موجود ہیں۔ غالب کی فارسی نعت گوئی کے نمونے غزل، قصیدہ، مثنوی اور مخمس کے فارم میں دستیاب ہیں۔ لیکن انہوں نے سب سے زیادہ نعتیں، مثنوی کے انداز میں کہی ہیں۔" مثنوی ابرِ گہر بار" کا معتد بہ حصہ ان کی فارسی نعت گوئی کا قابلِ قدر نمونہ ہے۔ مجموعی اعتبار سے اس مثنوی کو اگر" گنجینۂ معنی کا طلسم" کہا جائے تو بجا ہے۔ غالب کی چھوٹی بڑی مثنویوں کی تعداد چودہ (14) ہے۔" ابرِ گہر بار" سب سے طویل مثنوی ہے، جس کے اشعار کی کُل تعداد باختلافِ روایت ایک ہزار یا اس سے بھی زائد ہے۔ مثنوی ابرِ گہر بار کا چوتھائی حصہ نعت پر مشتمل ہے۔ حمد ومناجات اور منقبتِ مولیٰ علی کو چھوڑ کر نعتیہ مضامین پر مشتمل اشعار کی تعداد تین سو سینتیس (337) ہے۔ 57 / اشعار میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل ومحاسن اور 280 / اشعار میں واقعۂ معراج کے تفصیلی احوال قلم بند کیے گئے ہیں۔ نعت گوئی کے حوالے سے اگر غالب کچھ نہ بھی لکھتے تو یہی مثنوی، نعت گو شاعر کی حیثیت سے ان کے تعارف کے لیے کافی ہوتی۔" مثنوی ابرِ گہر بار" کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے۔ حمد یہ اشعار کی تعداد ایک سو سے زائد ہے۔

سپاسے کزو نامہ نامی شود
سخن در گذارش گرامی شود

(اس حمد سے مثنوی کا آغاز کرتا ہوں جس سے تحریر کی آبرو بڑھ جاتی ہے اور سخن کی قدر و قیمت میں اضافہ ہوتا ہے)

حمد و مناجات کے بعد نعت گوئی کا زرّیں سلسلہ شروع ہوتا ہے اور غالب اپنے مخصوص لب و لہجے میں اپنے نبی کی مدحت سرائی کا یوں آغاز کرتا ہے :

بنامِ ایزد اے کلکِ قدسی صریر
بہر جنبش از غیب نیرو پذیر
دل آویز تر جنبشے ساز کن
بجنبش رقم سنجے آغاز کن

اے وہ قلم جس کی سرسراہٹ فرشتے کے نزول جیسی ہے، اللہ کے نام سے شروع کر۔ تیری ہر جنبش کو غیب سے قوت ملتی ہے۔ اے قلم! اپنی آویز حرکت دکھا اور اس سے نعت گوئی کی ابتدا کر۔

درودے بہ عنوانِ دفتر نویس
بہ دیباچہ نعتِ پیمبر نویس
محمد کز آئینۂ روئے دوست
جز ایش ندانست دانا کہ او ست
زہے روشن آئینۂ ایزدے
کہ دروے نگنجیدہ زنگِ خودے
ز رازِ نہاں پردۂ بر زدہ
ز ذاتِ خدا معجزے سرزدہ
تمنائے دیرینۂ کردگار
بوے ایزد از خویش امید وار

(مثنوی ابرِ گہر بار،ص:14،ناشر:اکمل المطابع،دہلی)

ترجمہ : اے قلم! دفتر یعنی مثنوی کے سرنامے پر درود شریف لکھ اور نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے کلام کا آغاز کر۔حضور علیہ السلام کی ذات جلوۂ پروردگار ہے۔ عقل مندوں کو اللہ اور اس کے آخری نبی میں معبود و عبد کے علاوہ کوئی فرق نظر نہیں آتا ۔اللہ عزوجل کے اس روشن آئینے کا کیا کہنا،جس میں خودی (یعنی الگ سے اپنے وجود) کا زنگ تک نہیں لگا۔حضور کی ذات اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک معجزہ ہے۔محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم مشیتِ الہیٰ کی ایک خوب صورت مثال ہیں۔خدا کی رضا ان کی رضا میں شامل ہے۔

اس کے علاوہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نورانی جسم،آپ کی رفتار و گفتار، صدورِ معجزات،کشادہ قلبی،نرمی مزاجی،زبانِ مبارک کی تاثیر،صدورِ معجزات اور دنیا و آخرت میں بندگانِ خدا پر آپ شفقت و رافت کا تذکرہ غالب نے دریائے عشق و الفت میں ڈوب کر کیا ہے۔یہ اشعار دیکھیں اور غالب کی نعتیہ شاعری کا رنگ و آہنگ ملاحظہ کریں :

تن از نور آلودہ سرچشمۂ
و لے ہمچوں مہتاب در در چشمۂ
بہر جام از و تشنۂ جرعہ خواہ
بہر گام از و معجزے سر براہ
کلامش بہ دل در فرود آمدن
زدم جستہ پیشی بزود آمدن
خرامش بہ سنگ از قدم نقش بند
بہ رنگے کہ نادیدہ پایش گزند

بہ دستش کشادِ قلم نا رسا
بہ کلکش سوادِ رقم نا رسا
دل امید جائے جائے زیاں دیدگاں
نظر قبلہ گاہِ جہاں دیدگاں
بہ رفتا صحرا گلستاں کنے
بہ گفتار کافر مسلماں کنے
بہ دنیا ز دیں روشنائی دہے
بہ عقبیٰ ز آتش رہائی دہے

(مثنوی ابرِ گہر بار، ص:14)

(1) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسمِ اقدس نور سے ڈھکا ہوا ایک سرچشمہ ہے، جیسے چاند کا عکس کسی چشمے میں محدود ہو۔

(2) پیاسا انسان ان کے قطرۂ جام کا محتاج ہے۔ان کی ذات سے ہر گھڑی معجزے کا ظہور ہوتا ہے۔

(3) آپ کا کلام بڑی آسانی دل میں اتر جاتا ہے۔گویا نیچے اترنے میں وہ سانس پر سبقت لے جاتا ہے۔

(4) جب آپ قدم رکھتے ہیں تو پتھروں پر اس کے نشان ابھر آتے ہیں اور آپ کے قدم کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔

(5) آپ کے مبارک ہاتھوں میں قلم پہنچ جانے کے بعد اپنی جولانی بھول جاتا ہے اور ان کے قلم تک تحریر کی سیاہی پہنچ نہیں پاتی۔

(6) ان کا دل زیاں کاروں یعنی نقصان اٹھانے والوں کی امید گاہ ہے اور ان کی نظر جہاں دیدہ لوگوں کا قبلہ ہے۔

(7) آپ کے قدموں کی برکت سے صحرا میں پھول کھِل جاتے ہیں اور آپ کی میٹھی گفتگو سے کافر مسلمان ہو جاتا ہے۔

(8) آپ دنیا میں دین کی روشنی پھیلاتے ہیں اور آخرت میں گنہگاروں کو جہنم سے بچاتے ہیں۔

نعت گوئی کے لیے جس حسنِ عقیدت اور ادب و احترام کو ملحوظ رکھنا چاہیے، غالب نے حتی المقدور اس کا خیال رکھنے کی کوشش کی ہے۔ اندازِ بیان منفرد اور طرزِ ادا محتاط ہے۔ ہر شعر عشق و عقیدت کے جذبوں سے سرشار ہے۔ نعت گوئی کے دوران اگرچہ وہ اپنے رہوارِ تخیل کو تیز گام کرتے ہیں، بایں ہمہ اپنے قدم کو دائرۂ شریعت سے باہر نہیں جانے دیتے۔

پروفیسر نیر مسعود لکھتے ہیں :

غالب جب خود اپنا بیان کرتے ہیں تو ایک عالمِ بے اختیاری میں تخیل کو بے لگام چھوڑ دیتے ہیں اور جب ذاتِ رسول و نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کرتے ہیں تو احتیاط کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے چوکس (محتاط) ہو جاتے ہیں۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ان کا نعتیہ کلام گرمیِ اندیشہ (گرمیِ خیال) سے خالی یا معنیٰ آفرینی و نازک خیالی سے محروم ہے۔ تقابلی مطالعے کے بعد بھی محسوس ہوتا ہے کہ غالب کی فارسی شاعری کی تقریباً تمام اعلیٰ خصوصیتیں ان کے نعتیہ کلام میں بھی موجود ہیں۔ ان کا یہ شعر نعتیہ شاعری کے عمدہ نمونوں میں رکھا جا سکتا ہے :

چناں بود کہ ببیند بہ خواب کس خود را
ازاو مشاہدۂ حق بہ عین بیداری

(مجلہ غالب نامہ، ص: 221؛222، ناشر: غالب انسٹی ٹیوٹ، دہلی)

واقعۂ معراج چوں کہ نعت گوئی کا ایک اہم موضوع ہے، اس لیے غالب نے زیرِ

نظر مثنوی میں اس پر خصوصی طریقے سے روشنی ڈالی ہے۔" غالب کا فارسی معراج نامہ " کے عنوان سے راقم الحروف ایک مستقل مضمون قارئین کی بارگاہ میں پیش کرے گا۔ ان شاء اللہ العظیم۔

نعت کے حوالے سے اس قسم کے سینکڑوں دل آویز اشعار" مثنوی ابرِ گہر بار" میں موجود ہیں ۔صفحات کی قلت تفصیل کی اجازت نہیں دیتی ۔ اس مثنوی کے علاوہ " مثنوی بیانِ نموداری شانِ نبوت وولایت" میں بھی نعت کے تعلق سے مواد موجود ہے ۔غالب نے اس مثنوی میں" حقیقتِ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم" پر بڑی نفیس گفتگو کی ہے۔چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

صورتِ فکر ایں کہ باری چوں کند
تا ز جیبِ غیب سر بیروں کند
جلوہ کرد از خویش ہم بر خویشتن
داد خلوت را فروغِ انجمن
جلوۂ اول کہ حق بر خویش کرد
مشعل از نورِ محمد پیش کرد
شد عیاں زاں نور در بزمِ ظہور
ہر چہ پنہاں بود از نزدیک و دور
نورِ حق ست احمد و لمعانِ نور
از نبی بر اولیا دارد ظہور

(مثنویاتِ غالب،ص:95،ناشر:غالب انسٹی ٹیوٹ،دہلی)

یعنی جب اللہ عز وجل نے اپنی ربوبیت کا جلوہ دکھانا چاہا اورغیب کے پردے سے ظہور کا ارادہ فرمایا تو اس نے اپنی ذات پر تجلی کر کے خلوت کوجلوت کی رونق عطا

کر دی۔ جنابِ باری تعالیٰ نے جب اپنے اوپر جلوہ کیا تو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے نور کی مشعل سامنے رکھ دی۔ (یعنی اللہ نے اپنے نور سے حضور کے نور کو پیدا کیا) اور اس نور کی مشعل سے کائنات روشن ہو گئی۔ احمد یعنی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نورِ الٰہیٰ ہیں۔ آپ کے نور سے اولیائے کرام مستفید و مستنیر ہوتے ہیں۔

فصاحت و بلاغت، زورِ تخیل، بلند آہنگی، فکر و جذبہ کی باہمی آمیزش، نظریہ و فلسفہ، مضمون آفرینی و معنی آفرینی کلامِ غالب کی نمایاں ترین خصوصیت ہے۔ غالب کی مشکل پسندی اپنی جگہ، لیکن مجموعی اعتبار سے ان کے فکر و خیال میں تنوع اور معنوی تہہ داری پائی جاتی ہے۔ ان کی فارسی نعتیہ شاعری بھی انہیں اوصاف سے متصف ہے۔ دیوانِ غالب (فارسی) کا وہ نعتیہ قصیدہ جس کا مطلع " آں بلبلم کہ در چمنستاں بہ ساخسار " ہے، اس میں غالب نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے فضائل و کمالات کا تذکرہ بڑے والہانہ انداز میں کیا ہے۔ آپ کو فخرِ بشر، امامِ رسل، قبلۂ امم، جیسے اوصاف سے یاد کیا ہے اور آپ کے جسمِ اطہر کا سایہ نہ ہونے سبب یہ بتایا ہے کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا وجودِ پاک نورِ خداوندی کا مظہر ہے، لہٰذا وہ نور ہوئے اور نور کا سایہ نہیں ہوتا۔

فخرِ بشر ، امامِ رسل ، قبلۂ امم
کز شرع اوست قاعدۂ دانس استوار
دانی چہ است کہ اثرِ جلوۂ قدس
بر خاک نقشِ سایہ نہ گردید آشکار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اسمِ گرامی " احمد " کے حوالے سے غالب نے جو نکتہ بیان کیا ہے، وہ اپنی جگہ قابلِ قدر اور شاعر کی بلند پرواز فکر کا واضح ثبوت ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آپ کا نام " احمد " اپنے اندر ایک طلسمی خزانہ رکھتا ہے۔ اس طلسم کی نقاب

کشائی کے لیے قدرت نے ایک قاعدہ مقرر کیا ہے اور وہ اس طرح کہ لفظِ احمد سے حرفِ میم کو ہٹا دیا جائے، جو ذاتِ نبی کا پردہ دار ہے۔ تو اب لفظِ احمد، احد بن جائے گا۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے نام (احمد) کو اپنے نام (احد) پر رکھا ہے، لیکن عبد و معبود میں فرق و امتیاز کے لیے بیچ میں "میم" کا پردہ ڈال دیا ہے اور جب ذاتِ احمدی کی معرفت کی برکت سے میم کا پردہ ہٹ گیا اور "احد" ظاہر ہو گیا تو اسمِ جلالت "اللہ" کا "الف" اپنا جلوہ دکھا رہا ہے۔ اب حاء و دال کو آپس میں جوڑ دو تو بارہ کا عدد برآمد ہوگا جو کہ ائمہ اہلِ بیت کی تعداد ہے۔

حقا کہ لفظِ احمد و لطفے کہ تحت او ست
گنجے است شایگاں و طلسمے است استوار
اما پئے کشایشِ ایں معنوی طلسم
فطرت شگرف قاعدۂ کردہ اختیار
باید نخست میم ز احمد فرا گرفت
کاں میم اسمِ ذاتِ نبی را ست پردہ دار
ہر کہ بہ یمنِ معرفتِ ذاتِ احمدی
میم از میانہ رفت و احد گشت آشکار
بے پردہ بنگر از الف اللہ جلوہ گر
و ز حاء و دال بشمر د و دریاب ہشت و چار

(دیوانِ غالب فارسی، ص:125، ناشر دارالسلام، دہلی)

اسی طرح غالب کا مندرجہ ذیل نعتیہ کلام کافی مشہور ہوا اور اس کا مقطع (غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گذاشتم) تو آج بھی صنفِ نعت گوئی کی دشواری کے حوالے سے بطورِ سند پیش کیا جاتا ہے۔ اس کلام کا ہر ایک شعر بلکہ ہر مصرع فکری و فنی اور معنوی

لحاظ سے عمدہ ہے۔ غالب نے اس کلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شایانِ شان تعریف وتوصیف کی ہے اور قرآن وحدیث کی روشنی میں حضور کے فضائل وکمالات اور بالخصوص آپ کے اختیار ومعجزہ کو اجاگر کیا ہے۔ مطلع کا دوسرا مصرع " آرے کلامِ حق بزبانِ محمد است " دراصل قرآن کی مشہور آیت " وما ینطق عن الھویٰ ان ھوالا وحی یوحیٰ " کی ایک خوب صورت ترجمانی ہے۔ تیسرا شعر (تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است) ندرتِ فکر اور جدتِ اسلوب کی اچھوتی مثال ہے۔

حق جلوہ گر ز طرزِ بیانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
آرے کلامِ حق بزبانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
آئینہ دارِ پرتوِ مہر است ماہتاب
شانِ حق آشکار زِ شان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
تیرِ قضا ہر آئنہ در ترکشِ حق است
اما کشادِ آں ز کمانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
دانی اگر بہ معنیٔ " لولاک " وارسی
خود ہر چہ از حق است از آنِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
ہر کس قسم بداں چہ عزیز است می خورد
سوگندِ کردگار بجانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
واعظ حدیثِ سایۂ طوبیٰ فروگذار
کہ ایں جا سخن ز سروِ روانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
بہ نگر دو نیمہ گشتنِ ماہِ تمام را
کاں نیمہ جنبشے ز بنانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم است
در خود ز نقشِ مہرِ نبوت سخن رود

آن نیز نامور ز نشانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم است
غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزدان گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم است
(دیوانِ غالب فارسی،ص:35،ناشر:مطبع منشی نولکشور،لکھنؤ)

مندرجہ بالا اشعار کا مفہوم یہ ہے کہ جلوۂ ذاتِ خداوندی حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن بیان سے ظاہر ہوتا ہے اور خدا کا کلام و پیغام آپ کے زبانِ فیض ترجمان سے جاری ہوتا ہے۔جس طرح چاند،سورج کا عکس اور اس کی تابانی کا آئینہ دار ہے،اسی طرح خدا کی شان محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے ظاہر ہے۔بلاشبہ تیرِ قضا ترکشِ حق میں ہے۔لیکن اسے چلانے کے لیے حضور کی کمان درکار ہے۔اگر تم حدیثِ" لولاک" کا مفہوم سمجھتے ہو تو جان لو کہ جو کچھ اللہ کی طرف سے ہے،وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے ہے۔ہر شخص اپنے عزیز کی قسم کھاتا ہے اور اللہ عز وجل آپ صلی اللہ علیہ کو قسم سے یاد فرماتا ہے۔اے واعظ! سایۂ طوبیٰ کی بات مت کر کہ ابھی سرورِ روانِ محمد کا تذکرہ چھڑا ہوا ہے۔چاند کا دو ٹکڑے ہونا،آپ کی انگلی کے اشارے کا کرشمہ ہے۔غالب میں نے خواجۂ کونین (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تعریف وتوصیف کا معاملہ خدا پر چھوڑ دیا کہ وہی ذاتِ پاک،اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کا کما حقہ رتبہ شناس ہے۔

(جاری ہے)